تمدن خراسان

مصنفہ

عالیجناب مستطاب فخر الحاج والزوار حاجی نواب السید

محمد مسعود الحسن صاحب کربلائی و مشہدی

تعلقہ دار ریاست اصغر آباد۔ ضلع علیگڈھ

در مطبع اثنا عشری دہلی

باہتمام سید صغیر حسن شمس زیدی الواسطی طبع شد

فہرست مضامین تمدن خراسان

محمد مسعود الحسن صاحب کربلائی مشہدی رئیس اصغر آباد

سنہ ۱۹۲۷ء
سنہ ۱۳۴۶ھ
مصنفہ فخر الحجاج والزوار عالیجناب السید محمد مسعود الحسن صاحب
کربلائی ومشہدی رئیس جعفرآباد ضلع اعظمگڈہ

نذر

میں اپنی اس ناچیز تالیف کو شہنشاہ دو جہان مالکِ ارض و سما
امام عصر والزمان عجل اللہ فرجہ کی خدمت عالی میں پیش کرتا ہوا عرض پرداز ہوں
کہ شاہا میری حاضری اور آستانہ بوسی کی حقیر خدمت کو شرف قبولیت مرحمت
فرماکر مجھ پہ اور میری اس ناچیز تالیف پر ایک نظر لطف و کرم ہو جائے تاکہ یہ
ذرہ خاک دنیا و آخرت میں نیر اعظم ہو کر چمکے؂

شاہا چہ عجب گر بنوازند گدا را   ۶۷۷۳۱

کلبِ آستانہ
محمدؐ و آل محمدؐ
"مسعود"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

اسلامی نقطہ خیال سے اس امر میں کسی طرح کا شک اور شبہ نہیں کہ حدیث کل مولود
یولد علی فطرۃ الاسلام ایک صحیح اور معتبر حدیث ہے اور اسی وجہ سے حقیقی اسلام فطرت اللہ
کہلاتا ہے اور فطرۃ اللہ اللتی فطر الناس جمیعا کا مصداق حقیقی یہ ہی اسلام ہے کہ جس کی
تبلیغ کے واسطے جناب رسالتمآب مبعوث برسالت کیے گئے تھے - قدرت نے اشرف المخلوقات
میں ضرور ایک ایسا مادہ ودیعت فرمایا ہے کہ اگر موانع اور دیگر اسباب خارجی انسان کو پیش
نہ آئیں اور محض فطرت اللہ پر انسان کو چھوڑ دیا جائے تو یقیناً مذہب حقہ اسلام کو
اختیار کرنے میں دریغ نہیں کرسکتا بلکہ ہمیشہ اسلامی احکام کی پابندی انسان کے
واسطے باعث فخر ومباہات ثابت ہوگی - یہی وجہ ہے کہ آج بھی جبکہ اسلام تنزل کی

حالت میں دکھائی دیتا ہے اور مسلمان انتہائی پستی پر پہنچ گئے ہیں۔ مذہب اسلام روز افزوں
اپنے اعداد و شمار میں معتد بہ اضافہ کرتا ہوا نظر آتا ہے دنیا کی دیگر اقوام باوجودیکہ
اپنے اپنے مذاہب کی اشاعت میں سر توڑ کوششیں کر رہی ہیں۔ لیکن چونکہ اُن کے مذاہب
کی بنا فطرۃ اللہ پر قائم نہیں ہوئی ہے اس لئے ان میں نہ تو اسلام جیسی ترقی ہی
دکھلائی دیتی ہے اور نہ حقیقی اخلاق کی ضیا ء قلب کو روشن اور منور کرتی ہے محققین
یورپ اپنی قابل قدر تحقیقات کے ذریعہ سے اسی نتیجہ پر آخر میں پہنچے ہیں اور انھوں نے باآواز
دہل اس امر کا اعلان کر دیا ہے کہ اسلام کی روز افزوں ترقی کا راز محض اسکی فطرتی
تعلیم میں مضمر ہے چونکہ اسکی تعلیم فطرۃ اللہ کے موافق ہے اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ عنقریب
وہ زمانہ آیا چاہتا ہے کہ مذہب اسلام کی عالمگیر رو تمام دنیا کے مذاہب کو بہالے جائے گی
اور آخر میں سوائے مذہب اسلام کے کوئی دوسرا مذہب دنیا میں نظر نہ آئے گا۔ فتح مکہ کے
بعد اسلام کا اس قدر تیزی کے ساتھ ترقی کرنا اور عرب کے اَن پڑھ اور جاہل قبیلوں کو اپنا مطیع
اور گرویدہ بنا لینا اسی فطرت الٰہی کا ایک ادنیٰ کرشمہ تھا وہی عرب جو مدتوں سے اسلام کے
مقابلہ میں مخالفانہ اور جارحانہ کارروائیاں کر رہے تھے۔ بعد فتح مکہ اسلام کے اسقدر
گرویدہ ہوئے کہ تھوڑے عرصہ کے اندر تمام جزیرۃ العرب میں اسلامی ڈنکہ بجنے لگا اور سوائے
اسلام کے دوسرے مذاہب کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ بیشک ملک کی آب وہوا اور
اسباب خارجی اور دیگر موانع ایسے امور ہیں کہ جنکی وجہ سے انسان حقیقی اسلام اور فطرتی
قواعد کی پابندی سے اپنی ذات کے آزاد کرنے کی کوشش کر سکتا ہے۔ لیکن قدرت نے
جن افراد کے شامل حال اپنی توفیقات کو فرما دیا ہے وہ افراد ایک لمحہ کے واسطے بھی

فطرتِ الٰہی سے غافل نہیں رہ سکتے - فطرت کے علاوہ سب سے بڑی چیز جسکو تکمیل انسانیت کا جوہر سمجھنا چاہیئے صحبت یا سوسائٹی ہے ؎

صحبتِ صالح ترا صالح کند　　　صحبتِ طالح ترا طالح کند

ایک نہایت سچا اور صحیح مقولہ ہے - بیشک نیک اور با اخلاق انسانوں کی صحبت سے اچھے آداب اور اخلاق انسان میں پیدا ہو جاتے ہیں اور بُری صحبتوں کے اثرات ہمیشہ انسان کی عادات اور اخلاق کو بگاڑ دیتے ہیں - اسی وجہ سے بزرگانِ قوم نے مدارس اور تعلیمگاہوں کی بنیادیں قومی بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے بلند کی ہیں تاکہ ان مقامات میں درس اور تدریس کے علاوہ اچھے اور نیک استادوں کی صحبت سے بھی فائدہ حاصل کرنیکا موقع قوم کے ہونہار بچوں کو ملتا رہے - اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جن اخلاقیات اور روحانیات سے اساتذہ آراستہ ہوتے ہیں - کچھ زمانہ کے بعد وہی فضائل اور اخلاق متعلمین میں ظاہر ہونے لگتے ہیں اور وہ متعلمین اُن اخلاق کے ایسے مجسمہ بن جاتے ہیں کہ پھر ملک کی خارجی ہوائیں اور بُرے انسانوں کی صحبتیں اُن کے قلب و دماغ پر بالکل اثر پیدا نہیں کر سکتیں - اور جس طرح کہ صاف اور شفاف آئینہ سے میلا اور مکدر پانی گذر جاتا ہے اور اس آئینہ کی آب و تاب اور صفائی میں کچھ بھی تغیر پیدا نہیں ہوتا اسی طرح بد عادات اور بُری سوسائٹی کے اثرات اُن آئینۂ قلبی میں کہ جسکی جلا اقوال آئمہ اور صحبت معصوم سے کی گئی ہو اپنا کوئی اثر پیدا نہیں کر سکتے اور نہ کسی قلب میں کسی طرح کا تکدر واقع ہو سکتا ہے - دنیا میں مسموم ہوائیں اپنا اثر انسان کے قلب میں پیدا کر کے خون کو زہر بلا بنا دیتی ہیں لیکن یہ اثرات انہیں قلوب میں پیدا ہوتے ہیں کہ جن میں اس زہر کے قبول کرنے کی استعداد باقی رہتی ہے اور چونکہ حضراتِ معصومین

کے اقوال اور ان کی صحبتوں کے اثرات سے انسانی قلوب میں روحانیت پیدا ہوتی
ہے اور اس میں اس قسم کی قابلیت باقی نہیں رہتی کہ وہ ملک کی زہریلی ہواؤں سے
متاثر ہوسکیں اسی لئے وہ ہمیشہ ہر طرح سے پاک اور صاف رہتے ہیں اور کسی بری
صحبت اور سوسائیٹی کا اُن قلوب پر مطلق اثر نہیں پڑسکتا۔ ائمہ علیہم السلام کے
اصحاب کی اخلاقی جرأتیں اور ان کی بے مثال ہمتیں اور زبردست سلطنتوں سے
مقابلہ یہ سب ایسے امور ہیں کہ جنکی موجودگی میں کوئی شخص بھی بغیر اقرار کئے نہیں
سکتا کہ یہ تمام باتیں انہیں حضرات کے اقوال و اعمال سے اخذ کی گئی تھیں اور یہ اُنہی
صحبت مبارک کا اثر تھا کہ باوجودیکہ سلطنتیں مذہب حقہ کی سخت ترین دشمن تھیں
لیکن اصحاب ائمہ نے ان تمام سلطنتوں کا مقابلہ کیا اور اپنے نفسوں کو سخت مصائب و آلام میں
مبتلا کیا۔ لیکن جس حبل خدا سے تمسک کرلیا تھا اسکو اپنے ہاتھ سے کسی وقت میں بھی نہ چھوڑا
حقیقت میں ائمہ علیہم السلام کی خدمت میں حاضر ہونا اور ان حضرات کی زیارت سے
مشرف ہونا یہ سب ایسے امور ہیں کہ جن سے آئینہ قلب پر جلا ہوتی ہے اور ایمانی قوتوں
استحکام اس حد تک ہوجاتا ہے کہ کوئی زبردست سی زبردست طاقت بھی اسکا مقابلہ
نہیں کرسکتی ہے اور نہ کوئی زہریلی ہوا اسمیں نفوذ کرسکتی ہے اور یہ امر بھی ظاہر ہے کہ
بنی نوع انسانی کو جس طرح سے کہ عالم اجسام میں ہدایت کے سبق ملتے رہتے ہیں اسیطرح
عالم ارواح میں وہ ہدایت کاملہ وتامہ سے مستفیض ہوتی رہتی ہیں اور جس طرح کہ عالم ظاہری
میں شمع ہدایت روشن رہتی تھی اسی طرح نور ہدایت سے عالم باطنی میں قلوب مومنین
روشن اور منور ہوتے رہتے ہیں۔ اسی لئے جناب رسالت مآب نے بھی گروہ مومنین کو ان حضرات

کی زیارت کرنے کی تحریص دلائی تاکہ مومنین ہمیشہ ان فیوض و برکات سے جو کہ ذات معصوم سے مخصوص ہوتے ہیں متمتع ہوتے رہیں۔ اور اس صحبت مبارک کے اثرات سے طبائع میں ایسی ہمت اور استقلال پیدا ہو جائے کہ جو مثل عظیم الشان پہاڑ کے مستحکم ہو اور عالم کی زہریلی ہوائیں اور ضلالت کی موسلا دھار بارشیں اس ایمانی استقلال میں کسی قسم کا تزلزل پیدا نہ کر سکیں اسی لئے تو جناب رسالتؐ آب نے ارشاد فرمایا من زار ولدی بطوس کانما زار بیت اللہ سبعین مرۃً یعنی جس شخص نے کہ میرے فرزند علیؑ رضا کی طوس میں زیارت کی تو اس نے گویا خانہ کعبہ کی ستر مرتبہ زیارت کی۔

خود جناب امامؑ رضا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے من زارنی علی بُعد داری ومزاری اتیتہ یوم القیامۃ فی ثلث مواطن حتی اخلصہ من اھوالھا اذا تطایرت الکتب یمینًا وشمالًا وعند الصراط وعند المیزان۔ یعنی فرمایا جناب امام رضا علیہ السلام نے کہ جس شخص نے باوجود میرے مزار کے بعید ہونے کے میری زیارت کی تو میں بروز قیامت تین مقام پہ اسکو نجات دلاؤں گا ایک نطق نامۂ اعمال کے وقت دوسرے صراط اور میزان کے پاس۔ دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا ہے من زارنی فی تلک البقعۃ کان کمن زار رسول اللہ یعنی جو شخص کہ میری زیارت سے مشرف ہوا تو اسکا ثواب ایسا ہی جیسا کہ رسولؐ اللہ کی زیارت سے ثواب حاصل ہوتا ہے۔ قال سئلت ابا جعفر محمد ن الجوادؑ ما لمن زار والدک علیہ السلام بخراسان فقال الجنۃ واللہ الجنۃ واللہ یعنی جبکہ حضرت جواد علیہ السلام سے ثواب زیارت امام رضا علیہ السلام کے متعلق دریافت کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ واللہ اس کی جزا جنت ہے۔ واللہ اسکی جزا جنت ہے عن الامام الحسنؑ

الرضا علیہ السلام انہ قال بخراسان بقعۃ یاتی علیہا زمان تصیر مختلف
الملائکۃ فلا یزال فوج ینزل من السماء و فوج یصعد الی ان ینفخ فی الصور فقیل
لہ یا ابن رسول اللہ ای بقعۃ ہذہ قال ہی بارض طوس وہی روضۃ من ریاض
الجنۃ ومن زارنی فی تلک البقعۃ کان کمن زار رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ
کتب اللہ لہ ثواب الف حجۃ مبرورۃ و الف عمرۃ مقبولۃ وکنت انا و آبای شفعائہ
یوم القیامۃ یعنی فرمایا جناب امام رضا علیہ السلام نے کہ ملک خراسان میں ایک بقعہ
ہے کہ جس پر آیندہ زمانہ میں آمد و شد ملائکہ ہوا کرے گی اور قیامت تک برابر ایک
فوج ملائکہ کی آسمان سے زیارت کے واسطے نازل ہوا کرے گی اور دوسری فوج
زیارت سے فارغ ہو کر آسمان کی طرف صعود کیا کرے گی لوگوں نے دریافت کیا
کہ ابن رسول اللہ وہ کون سا بقعہ ہے فرمایا وہ ارض طوس ہے اور وہ ریاضہائے
جنت کا ایک باغ ہے جس شخص نے میری زیارت اس بقعہ مبارکہ میں کی اس نے گویا
رسول اللہ کی زیارت کی اور خداوند عالم میرے زائر کے حق میں ایک ہزار حج ہائے
مبرورہ اور ایک ہزار عمرہ ہائے مقبولہ کا ثواب درج فرمائیگا اور میں اور میرے آبائے طاہرین
بروز قیامت اس کے شفیع ہوں گے روی محمد ابن سلیمان سئلت ابا جعفر الثانی
الجواد علیہ السلام عن رجل حج حجۃ الاسلام ثم اتی الی المدینۃ فسلم علی النبی
صلی اللہ علیہ والہ ثم اتی اباک امیر المومنین علیہ السلام عارفا بحقہ
فسلم علیہ ثم اتی ابا عبد اللہ الحسین فسلم ثم اتی الی بغداد فسلم علی ابی الحسن
موسی علیہ السلام ثم انصرف الی بلادہ فرزقہ ملہ حج بہ فایہما افضل ایحج ایضا

ام يخرج الى خراسان الى زيارة ابيك فقال بل ياتى زيارة ابى - یعنی روایت کیا ہے محمد ابن سلیمان نے وہ کہتے ہیں کہ میں نے سوال کیا امام محمد تقی علیہ السلام سے اس شخص کے بارے میں کہ جو حجۃ الاسلام کے فرائض کو ادا کر کے مدینہ منورہ میں زیارت رسالتمآب سے مشرف ہوا اس کے بعد زیارت امیر المومنینؑ سے فراغت حاصل کر کے ابی عبداللہ الحسین کی زیارت سے شرف یاب ہوا - پھر بغداد میں آنکر حضرت موسیٰ کاظم کی زیارت کی اور اپنے مکان کو واپس چلا گیا - آیندہ سال خداوند عالم نے اسکو پھر ایسی ثروت عطا فرمائی کہ وہ دوبارہ حج ادا کر سکے تو آیا حج کرنا اسکے لئے افضل ہے یا زیارت امام رضا علیہ السلام بجا لانا افضل ہے - ارشاد فرمایا کہ اسکو چاہئے کہ میرے باپ کی زیارت بجا لائے عن على ابن مهزيار قال قلت لابى جعفر يعنى محمد بن على الرضا جعلت فداك زيارة رضا افضل ام زيارة ابى عبد الله الحسين عليه السلام قال زيارة ابى افضل وذالك ان ابى عبد الله يزوره كل الناس و ابى صلوات الله عليه لا يزوره الا الخواص من الشيعه علی ابن مہزیار بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے عرض کیا کہ یا حضرت میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یہ تو فرمایئے کہ زیارت امام رضا علیہ السلام بجا لانا افضل ہے - یا زیارت ابی عبد اللہ علیہ السلام کرنا - حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میرے باپ کی زیارت بجا لانا افضل ہے اسلئے کہ ابی عبد اللہ الحسین کی زیارت سے تو اکثر مومنین مشرف ہوتے ہیں اور میرے باپ کی زیارت سوائے خواص شیعہ کے کوئی دوسرا نہیں بجا لاتا فی التهذیب عن سليمان ابن يحيى المسازنى عن ابى الحسن موسى عليه السلام قال من زار قبر ولدى كان عند الله

کسبعین الف حجة قال، قال ومن بات لیلة عنده کان کمن زار اللہ
فی عرشہ قلت کمن زار اللہ فی عرشہ قال اذا کان یوم القیامۃ کان علیٰ عرش
اللہ عزوجل اربعۃ من الاولین فنوح وابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ وما
الاٰخرین محمد وعلی والحسن والحسین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین ۔ سلیمان
ابن یحییٰ مازنی نے حضرت امام موسیٰ علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ فرمایا ان حضرت نے
کہ جو شخص میرے فرزند علی رضا کی زیارت سے مشرف ہو اسکا ثواب حق تعالیٰ کے
نزدیک ستر ہزار حج کی برابر ہے اور جو شخص شب کو وہاں قیام بھی کرے تو اس نے
گویا خداوند عالم کی زیارت عرش خدا پر کی راوی نے متعجباً عرض کیا کہ کیا حضرت
رضا علیہ السلام کی زیارت کا اسقدر ثواب ہوتا ہے کہ گویا اس نے خداوند عالم کی
عرش پر زیارت کی فرمایا کہ بروز قیامت چار شخصوں کو اولین میں سے اور چار کو آخرین
میں سے عرش پر جگہ دیجائے گی ۔ اولین میں سے تو حضرت نوح حضرت ابراہیم حضرت
موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام ہیں اور آخرین میں جناب رسالتمآب اور حضرت علی
ابن ابیطالب اور حسن وحسین فرزندان رسولخدا ہیں قال الصادق علیہ السلام
یقتل حفدتی بارض خراسان فی مدینۃ یقال لھا طوس من زارہ فیھا عارفاً
بحقہ اخذتہ بیدی یوم القیامۃ فادخلتہ الجنۃ وان کان من اھل الکبائر
قلت جعلت فداک وما عرفان حقہ قال تعلم انہ امام مفترض الطاعۃ شہید
من زارہ عارفاً بحقہ اعطاہ اللہ تعالیٰ اجر سبعین الف شہید ممن استشہد
بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ علی حقیقتہ یعنی فرمایا جناب امام جعفر صادق

علیہ السلام نے کہ میرا ایک پارۂ جگر ارض خراسان کے شہر طوس میں قتل کیا جائے گا
اور جو شخص اس ارض مقدس میں میرے اس پارۂ جگر کے حق کا عارف ہو کر زیارت
کرے گا تو بروز قیامت میں خود اس شخص کا ہاتھ پکڑ کر اسکو جنت میں داخل کروں گا
اگرچہ وہ اہل کبائر سے ہو۔ راوی نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں
عرفان حق سے کیا مراد ہے ارشاد فرمایا کہ وہ اس امر کا اقرار کرتا ہو کہ وہ حضرت امام
مفترض الطاعۃ اور شہید راہ خدا ہیں۔ اور جس نے اس اقرار کے ساتھ میرے اُس
فرزند کی زیارت کی تو خداوند عالم ان ستر ہزار شہدا راہ خدا کی برابر ثواب عطا
فرمائے گا کہ جو حضرت رسالتمآبؐ کے ہمراہ درجہ شہادت پر فائز ہوئے ہوں۔
روی عن الصادق جعفر عن ابائہ علیہ السلام عن امیر المومنین علی ابن
ابیطالب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ ستدفن بضعۃ منّی
بارض خراسان لا یزورھا مومن الا وجب اللہ عزوجل لہ الجنۃ وحرم
جسدہ علی النار۔ روایت کی امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے آبا طاہرین
سے اور انھوں نے جناب امیر المومنین علیہ السلام سے اور انھوں نے جناب رسالتمآبؐ سے کہ
فرمایا جناب رسالتمآبؐ نے کہ میرا ایک پارۂ جگر ارضِ خراسان میں مدفون ہوگا۔ اور
جو مومن اسکی زیارت کرے گا تو خداوند عالم بہشتِ عنبر سرشت کو اسپر واجب فرمائے گا
اور آتشِ جہنم اسپر حرام ہو جائے گی۔ ان احادیث سے جو کچھ کہ فضائل زیارت
امام رضا علیہ السلام کے معلوم ہوتے ہیں وہ کسی واقفِ خبیر پر پوشیدہ نہیں اور ہر شخص
اس امر کو اچھی طرح سے جانتا ہو کہ الدال علی الخیر کفاعلہ ایک نہایت سچا او

مسلم مقولہ ہے اور امور خیر کی طرف دلالت کرنے والے کو بھی وہی ثواب عطا ہوتا ہے کہ جو امور خیر کے بجا لانے والے کے واسطے معین کیا گیا ہے صرف فرق یہ ہوتا ہے کہ دور دراز مقامات کے رہنے والے زائرین اپنی حیات میں زیادہ سے زیادہ دو چار مرتبہ زیارتِ مبارک سے مشرف ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس راستہ کا بتانے والا اس وقت بھی ثوابِ زیارت کو حاصل کر سکتا ہے جبکہ دنیا اسکے وجود سے خالی نظر آنے لگی کیونکہ وہ تحریر جو کہ اس راستہ اور اس کے حالات کے متعلق ہو۔ دنیا میں جبتک موجود رہے گی اور مومنین اس تحریر سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے اس وقت تک برابر اس شخص کے نامۂ عمل میں بھی وہی ثواب درج فرمائے گا کہ جسکا ایک زائر مستحق بنایا گیا ہے میں اگرچہ بحمد اللہ سنہ ۱۹۱۲ء میں زیارات عتبات عالیات سے اور سنہ ۱۹۱۹ء میں فریضۂ حج اور زیاراتِ مدینہ منورہ سے اور سنہ ۱۹۲۶ء میں اپنے مولا اور آقا حضرت علی رضا علیہ السلام کی زیارت سے مع اپنے عزیزان و دیگر احباب کے مشرف ہو چکا ہوں اور جناب باری نے اپنے افضال خاص سے اس نعمت عظمیٰ سے بھی اس ناچیز کو محروم نہ رکھا ؎

این سعادت بزور بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

لیکن بمصداق خیر الناس من ینفع الناس جو ایک ایسا سچا اور صحیح مقولہ ہے۔ کہ جسکی صحت کے متعلق کسی عاقل کو شبہہ اور شک کی گنجایش بھی نہیں ہو سکتی ہے اور اس وقت تمام عالم اس کلیہ پر متفق نظر آرہا ہے کہ انسانوں میں سب سے بہتر وہی انسان ہے کہ جو دوسروں کو بھی فائدہ پہنچائے۔ میں نے ارادہ کیا کہ اس موضوع پر ایک ایسا

مستقل رسالہ تالیف کیا جائے جو دیگر مومنین کے واسطے نہایت مفید اور کارآمد ثابت ہو اور اس رسالہ کی موجودگی میں کسی دوسری کتاب یا رسالہ کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت مومنین کو باقی نہ رہے اس رسالہ میں بعض ایسے تاریخی واقعات اور حالات کو مختلف کتابوں اور مستند تواریخ سے قلمبند کیا گیا ہے کہ اس سے قبل غالباً کسی اردو زبان کی کتاب میں یہ حالات جمع نہیں کئے گئے تھے۔ آپ خیال فرما سکتے ہیں کہ اس رسالہ کے جمع اور تالیف میں مجھ ایسے بے بضاعت کو کس قدر دقتوں اور مشکلات کا سامنا ہوا ہوگا یہ کام میرے واسطے نہایت ہی سخت اور دشوار تھا کیونکہ اس کام کی انجام وہی حضرات اہل علم ہی کر سکتے تھے لیکن خداوند عالم کا ہزار ہزار شکر ہے کہ میں اپنے اس ارادہ میں کامیاب ہوا۔ مجھے امید ہے کہ میرے احباب اور دیگر مومنین خصوصاً حضرات اہل علم میری اس ناچیز محنت کی قدردانی فرما کر میری غلطیوں کو معاف فرماتے ہوئے دعائے خیر سے یاد فرمائیں گے وما توفیقی الا باللہ العظیم:

اقل الحاج والزوار

السید محمد مسعود الحسن عفی عنہ رئیس ج؟ آباد

۱۴ / جون ۱۹۴۲ عیسوی۔ مقام

سولن۔ ضلع شملہ

مشہدِ مقدس

لفظ مشہد اگرچہ بظاہر اسم ظرف معلوم ہوتا ہے لیکن اسوقت اس اسم کا اطلاق جغرافیہ میں اس عظیم الشان اور با وسعت شہر پر کیا جاتا ہے کہ جس کے پاک و پاکیزہ آغوش میں سلسلۃ الذہب کے آٹھویں امام حضرت علی الرضا ابن حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام آرام فرما رہے ہیں اور اس آفتاب امامت کی ضیا باری سے تمام خطۂ ایران روشن و منور بنا ہوا ہے۔ نہایت مبارک ہیں اس ملک کے باشندے اور نہایت ہی بابرکت ہے وہ ملک جہاں کی زمین امانت جناب رسالتمآبؐ کی امین قرار پائی ہے۔ آپنے اپنے آخر وقت ارشاد فرمایا ہے انی تارکٌ فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھلبیتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی ابداً ولن یفترقا حتی یردا علی الحوض اے مسلمانو میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑتا ہوں ایک تو کتاب خدا اور دوسرے اپنے اھل بیت۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوضِ کوثر پر پہنچ جائیں اگر تم نے ان دونوں سے تمسک رکھا اور تمہارے ہاتھ ان دونوں کے دامن سے وابستہ رہے تو تم بھی ہرگز ہرگز کبھی گمراہ نہو گے۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث مذکورہ میں اس امر کی صراحت کردی ہے کہ اہل بیت رسالت آپ کی امانت ہیں جنھیں آپنے اس دنیائے فانی سے رخصت ہوتے ہوئے اپنی امت کی سپرد فرما دیا۔ لہذا جو مقام کہ ایسے اعلیٰ اور اشرف شے کا محل قرار پائے اور وہ جگہ ایسی گرانقدر اور بیش بہا امانت کی امین سمجھی جائے پھر اسکے فضل

وشرف میں کیا کلام ہو سکتا ہے اور اس مقدس زمین کے برکات وفیوضات سے کون انکار کر سکتا ہے۔ کیونکہ وہ زمین محلِ نزولِ رحمت اور زیارت گاہِ ملائکہ ہے۔ وہاں سے اہل بیت رسالت کے انوار مقدسہ کی شعاعیں دور دراز مقامات پر ضیا باری کرتی ہیں اور وہاں ہمیشہ بابِ رحمتِ الہٰی مفتوح رہتا ہے۔ ملائکہ اس آستانِ مقدس کی پاسبانی کرنا اپنے لیے باعثِ فخر ومباہات سمجھتے ہیں۔ بلکہ خود خداوند عالم ان انوارِ مقدسہ کی تجلیوں کو فخر ومباہات سے بیان کرتا ہے۔ یہ امر قابلِ غور ہے کہ جس مقام پر یہ قدر انوار کا مجمع ہو کہ ملائکہ بھی شرفِ پاسبانی حاصل کرتے آتے ہوں۔ انبیاء بھی اپنے اوقات مخصوص میں زیارت کرنے کو اپنے لیے باعثِ نجات اور فخر سمجھتے ہوں برکاتِ الہٰیہ کا نزول بھی ہمیشہ اس بقعۂ مبارکہ پر رہتا ہو تو اس مقام کی کیا توصیف وثنا ہو سکتی ہے۔ اور کیا کسی زبان یا نوکِ قلم میں یہ قوت وطاقت ہے کہ وہ اس فرحت بخش اور دل کشا مقام کی جو اپنی آغوش میں گوہرِ نبوت وامامت لیے ہوئے ہے تعریف کر سکے۔ زبان وحی نے جو کچھ فرمادیا وہ اسکے فضل وشرف پر کافی سے زیادہ روشنی ڈالتا ہے ارشاد ہوتا ہے ما بین جبلین طوس روضة من ریاض الجنة یعنی طوس کے دونوں پہاڑوں کے درمیان باغ ہائے جنت کے باغوں میں کا ایک باغ ہے حقیقت میں مشہدِ مقدس کیا چیز ہے اور کیا فضل وشرف رکھتا ہے۔ اس سوال کو کوئی دوسرا انسان حل نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے کہ جو مقام مجمع نور ہو اور آنکھیں اسکی ضیا اور نور انیت کی وجہ سے خیرہ ہوں اور اسکو کما حقہٗ نہ دیکھ سکتی ہوں تو کس طرح سے کوئی شخص اُس کے فضائل ومراتب کو بیان کر سکتا ہے۔ نورِ رسالت ہی کو یہ علو مرتبت اور

اور شرف کمال حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ اصلی کیفیت کو اس ارضِ مقدس کی بیان کر سکے کیونکہ آپ ہی کے جسمِ مبارک کا ایک حصہ اس ارض مقدس میں مدفون ہے۔ لہذا فرما دیا کہ اس بقعہ مبارکہ کو زمین کا ایک ٹکڑا اور حصہ خیال نہ کرو بلکہ ھذا روضۃ من ریاض الجنہ یعنی وہ تو باغہائے جنت میں سے ایک باغ ہے۔

حقیقت میں کرۂ ارض پر چونکہ صدورِ عصیان ہوتا رہتا ہے اور سب سے پہلا گناہ جو اس زمین پر واقع ہوا وہ قتل ہابیل کا واقعہ تھا اس کے علاوہ زمین میں یہ قابلیت کہاں کہ اس پر رحمتِ الہٰی کا نزول برابر ہوتا رہے یہ تو اشیاء نجس کے لئے محافظ خانہ قرار دیگئی ہے۔ کہ تمام دنیا کی گندگیاں اس میں سما جاتی ہیں اور سب کی سب اسی میں بھسم ہو جاتی ہیں اس میں یہ قابلیت نہیں کہ عالم ملکوت سے روحانیات اور ملائکہ زیارت کے واسطے آئیں۔ صبح و شام تلاوت کلام الہٰی اس پر ہوا کرے زاہد گوشہ نشین اسی کے خلوت خانہ میں بیٹھ کر عبادت الہٰی کے فرایض کو انجام دے یہ نورانی کام اسی مقام پر ادا کئے جا سکتے ہیں کہ جو خود بھی نورانی اور ضیا بخش ہو جنت سے زیادہ کون سی چیز نورانی اور ضیا بخش ہو سکتی ہے۔ جنت ایک ایسی مخلوق ہے جس کی خلقت جناب امام حسین علیہ السلام کے نور سے قرار دی گئی ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان مقامات پر ہمیشہ ذکر الہٰی رہتا ہے اور جو دعائیں ان مقامات پر کی جاتی ہیں وہ درجہ اجابت پر فائز اور قبول ہوتی ہیں اور آسمان سے ملائکہ زیارت کے واسطے نازل ہوتے رہتے ہیں۔ بہرحال لفظ مشہد کا اطلاق اس وقت اسی شہر پر کیا جاتا ہے کہ جس کے جوف میں حضرت امام علی الرضا علیہ السلام

مدفون ہیں۔ جیسا کہ صاحب مطلع الشمس لکھتے ہیں۔ شہرِ مشہد از اماکنِ شریفہ و مدائن مقدسہ و اراضیِ مطہرہ و بلادِ معتبرہ ممالکِ محروسۂ ایران صانہا اللہ عن طوارق الحدثان می باشد یعنی شہرِ مشہد ایران کے مقاماتِ مقدسہ و اماکنِ شریفہ اور بلادِ معتبرہ اور ارضِ مطہرہ میں سے ہے:

مشہد کی قدامت

اگرچہ اہلِ ایران کے اعتقاد اور خیال کے موافق شہرِ طوس کو جمشید پیشدادی پنجم پادشاہ پیشدادیان نے آباد کیا تھا اور قدیم الایام میں اسکو ساپلیہ کہتے تھے اور اسی کا نام بعد میں طوس قرار پایا۔ مؤلفِ کتاب جام جم لکھتا ہے کہ مشہد را قدیماً طوس می نامیدند و طوس مشتمل بر دو حصہ بود کہ یکے را طابران و دیگرے را نوقان میگفتند کہ اکنوں ہر دو حکم واحد دارد و ہر دو آنہا مشہد گفتہ میشود۔ صاحبِ جام جم کی عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شہرِ طوس جو کہ دو حصوں میں منقسم تھا اور وہ دونوں حصے طابران اور نوقان کہے جاتے تھے اب اُس شہر نے اپنے ان ناموں کو ترک کر کے مشہد کے نام کو اختیار کر لیا ہے۔ پس اس تحقیق سے یہ ثابت ہوا کہ قدیم زمانہ میں اس مقام کا نام ساپلیہ تھا۔ بعد میں طوس نام قرار پایا اس کے بعد اب اسی مقام کا نام مشہد مقدس ہو گیا ہے لیکن روایات اور اخبارِ ائمہؑ سے کچھ مستفاد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مشہد مقدس کو قدیم زمانہ میں سکندر ذوالقرنین نے آباد کیا تھا جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہوتا ہے و تدفن بمدینۃ بناہا العبد الصالح الاسکندر ذوالقرنین بلدۃ بارض طوس یقال

لها سناباد بضعة منی یعنی میرے جسم کا ایک ٹکڑا ارمراد حضرت امام علی الرضا علیہ السلام) اس شہر میں دفن کیا جائے گا جس کو عبد صالح اسکندر ذوالقرنین نے ملک طوس کی زمین پر آباد کیا تھا اور اس کا نام سناآباد رکھا تھا اس عبارت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آبادی شہر مشہد کی کچھ جدید نہیں ہے بلکہ اس شہر کو اسکندر ذوالقرنین نے آباد کیا تھا اور یہ ظاہر ہے کہ سکندر اعظم کی وفات ۳۲۲ قبل مسیح میں واقع ہوئی ہے اس حساب سے بھی اس شہر کو (۲۲۴۹) برس سے زیادہ کا زمانہ گذرتا ہے۔ طوس کے خرابے جو اس وقت دکھائی دیتے ہیں ان سے شہر کا فاصلہ قریب ۲ فرسخ قرار پاتا ہے اس سے ممکن ہے کہ یہ خیال پیدا کیا جائے کہ جبکہ طوس کے خرابے ۲ فرسخ کے فاصلہ پر دکھائی دیتے ہیں تو کیونکر یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ شہر مشہد ہی کو قدیماً طوس کہتے تھے اور یہ دونوں نام ایک ہی شہر کے واقع ہوئے ہیں جیسا کہ صاحب جام جم کی تحقیقات سے ظاہر ہوتا ہے بلکہ یہ فاصلہ اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ طوس نام اس شہر کا تھا کہ جو اب برباد ہوگیا اور مشہد قریب طوس ایک دوسرا شہر آباد کیا گیا تھا اور اس طرح سے کوئی قدامت اس بلد مقدس کے واسطے نہیں ثابت ہوتی ہے۔ بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک شہر جدید ہے جو بعد وفات جناب امام رضا علیہ السلام آباد ہوگیا ہے۔ یہ خیال صرف اسی شخص کا قائم ہوسکتا ہے کہ جس نے شہر طوس کی وسعت اور عظمت کا کچھ پاس و لحاظ نہ کیا ہو ورنہ کہہ سکتے ہیں کہ طوس کی وسعت اور عظمت اس وقت اسقدر تھی کہ اس کی عمارات اور باغات کا سلسلہ اس مقام تک پہنچا ہوا تھا کہ جہاں پر روضہ مقدسہ جناب امام ضامن ثامن حضرت علی الرضا علیہ السلام واقع ہے اور اس خیال

کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ جس میں بیان کیا گیا ہے کہ خلیفہ ہارون کی قبر حمید ابن قحطبہ کے باغ اور عمارت میں واقع ہے۔ صاحب مطلع الشمس لکھتے ہیں۔

سناباد بلدہ کوچکے بودہ است و حمید ابن قحطبہ کہ از جانب ہارون الرشید حکومت آں ولایت می نمودہ در سناباد عمارت و باغے داشتہ است چوں ہارون در طوس در گذشت در خانہ حمید ابن قحطبہ مدفون گردید و قبہ بارادہ عبداللہ مامون بر مزار زینت ساختہ شد و بہ قبۂ ہارونیہ اشتہار یافت چوں حضرت امام ابوالحسن علی ابن موسیٰ صلوات اللہ علیہ در طوس رحلت فرمودند در قبۂ ہارونیہ مدفون گردیدند۔

اس عبارت نے صاف اور صریح طور سے اس امر کو ثابت کر دیا کہ ہارون کی قبر اس باغ و عمارت کے اندر واقع ہوئی ہے جو کہ حمید ابن قحطبہ کی ملکیت میں تھا اور اسی کے گھر میں ہارون کو دفن کیا گیا اور یہ ظاہر ہے کہ حکام و امرا کی عمارات آب و ہوا کے خیال سے ایسے مقام پر ہوا کرتی ہیں کہ جو حدود شہر میں بھی داخل سمجھی جاتی ہیں اور شہر کی خراب آب و ہوا کا وہاں تک اثر بھی نہیں پہنچ سکتا ہے کیونکہ وہ شہر کے ایک طرف واقع ہوتے ہیں اور وہاں کی آب و ہوا صاف اور پاک و پاکیزہ رہتی ہے پس مطلع الشمس کی عبارت نے اچھی طرح سے ثابت کر دیا اور کوئی شبہ اور شک باقی نہ رہا کہ حدود اور عظمت و وسعت شہر طوس کی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اسکے عمارات اور باغات کا سلسلہ اس مقام تک پہنچا تھا کہ جس کا نام اب مشہد مقدس ہے اور طوس کے خرابوں سے اس قدر فاصلہ اس مقام مقدس کا اس امر کو ہرگز ثابت نہیں کرتا ہے کہ طوس کے علاوہ دوسرے مقام پر مشہد آباد ہو گیا ہے۔ بلکہ یہی ثابت

ہوتا ہے کہ طوس اور مشہد دونوں ایک ہی شہر کے نام ہیں اور ان دونوں میں کوئی
حد فاصل نہیں ہے۔ بہرحال کچھ بھی ہو اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے کہ مشہد
مقدس قدیم زمانہ میں مشہور مقامات سے نہ تھا جیسا کہ محقق مسیو فیرزر فرانسیسی سیاح
نے اپنے مشہور سفر نامہ میں بیان کیا ہے ناظرین کی دلچسپی کے لئے ترجمہ ذیل میں
درج کیا جاتا ہے۔ شہر مشہد جو اسوقت ملک خراسان کا ایک شہر ہے اور خاندان
قاچاریہ کے ایک شہزادہ کی حکومت میں ہے یہ شہر ایران کے قدیم شہروں میں سے نہیں
ہے وہ وادی کہ جس میں شہر مشہد کی بنا کی گئی ہے۔ بلکہ خود وہی مقام کہ جہاں پر
روضۂ حضرت رضا علیہ السلام واقع ہے قدیم زمانہ میں اسکو کوئی اہمیت نہ تھی اور نہ
کسی خاص توجہ کا وہ استحقاق رکھتا تھا۔ بلکہ شہر طوس کے نواح میں سے تھا۔ اگرچہ
اس وقت شہر طوس خراب و ویران نظر آتا ہے اس محقق کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ
بھی زیادتی آبادی اور رونق اور اہمیت اس شہر کی نظر آتی ہے وہ صرف اسی وجہ سے ہے
کہ وہاں پر روضۂ حضرت رضا علیہ السلام واقع ہے۔ اور یہی قول حق بھی معلوم ہوتا
ہے اگر اس مقام کو سابق میں کوئی اہمیت تاریخی یا مذہبی حاصل ہوتی تو ناممکن
تھا کہ عرب کے جغرافیہ داں اور سیاحوں کے مؤلفات مشہد مقدس کے ذکر سے خالی نظر
آتے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ابن خردادبہ اور مؤلف کتاب معجم یا منجم اور شمس الدین محمد ابن
احمد بطوطہ مقدسی اور ابو الفداء صاحب تقویم البلدان کے مؤلفات اس امر میں بالکل
خاموش ہیں اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جو کچھ بھی رونق اور اہمیت اس شہر کو حاصل
ہوئی ہے وہ جدید ہے۔ ابو اسحاق ابراہیم ابن محمد فارسی نے البتہ شہر مشہد کے

متعلق تصریح فرمائی ہے۔ کتاب مسالک الممالک میں ان کی یہ عبارت درج ہے
"اگر طوس را از اعمال نیشاپور دانیم شہرہائے آں اردکان و طابران و بیزہ و عوزہ و نوقان
است و قبر حضرت علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام و قبر ہارون الرشید لیکن باید دانست
کہ قبہ حضرت رضا علیہ السلام در رُبع فرسخے شہر در قریہ سناباد است"۔

عبارتِ مذکورہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ولایت طوس کے حدود میں
اردکان اور طابران اور بیزہ اور عوزہ اور نوقان داخل تھے بلکہ اس عبارت سے یہ بھی
ظاہر ہوا کہ قبہ حضرت علی رضا علیہ السلام قریہ سناباد میں شہر سے ربع فرسخ پر واقع
ہے اگرچہ مولف کتاب مسالک الممالک کے بیان سے یہ امر معلوم ہوتا ہے کہ سناباد ایک
قریہ ہے کہ توابع نوقان اور طوس میں داخل ہے مگر شہاب الدین یاقوت حموی
کی عبارت سے جسکو کہ انھوں نے معجم البلدان میں ذکر کیا ہے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سناباد
ایک قصبہ ہے جو کہ نوقان کے متعلق قرار پاتا ہے۔ "سناباد قصبہ ایست متعلق بہ نوقان
و در آنجا مرقد حضرت علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام و قبر ہارون مشاہدہ می شود"
پھر لغت نوقان میں اس طرح بیان کیا ہے کہ "این بلدہ یکے از دو شہر ست کہ دار الملک
طوس را تشکیل دادہ و شہر دیگر طابران ہست در نوقان دیگہائے سنگی می سازند
آن را برمہ بنا مند"۔ اس محقق کی تحقیق سے اس امر کا پتہ لگتا ہے کہ سناباد ایک قصبہ
شہر نوقان کے متعلق ہے اور اسی مقام پر مرقد مبارک حضرت علی رضا علیہ السلام واقع
ہے معلوم ہوتا ہے کہ جس زمانہ میں مورخ موصوف نے اس مقام کی زیارت کی ہے
اس وقت یہ مقام اپنے جسم پر سے لباسِ قریہ کو اتار کر لباس قصبہ سے آراستہ

ہو چکا تھا اسی وجہ سے مورخ موصوف نے اپنی کتاب میں اس مقام کو لفظ قصبہ
سے یاد کیا ہے۔ چونکہ قاضی شمس الدین محمد ابن بطوطہ نے بھی ملک خراسان کی
زیارت کی ہے اور طوس اور مشہد کا ذکر اپنی کتاب تحفۃ النظار میں کیا ہے
اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس کتاب کی اصل عبارت کا ترجمہ یہاں
لکھ دیں۔ ترجمہ۔ جام سے شہر طوس میں آیا یہ شہر بہت بڑا صوبہ خراسان میں ہے
ابی حامد غزالی ایک بڑے عالم تھے جو اسی شہر طوس میں مدفون ہیں اور طوس
سے شہر مشہد الرضا ابن موسی الکاظم ابن جعفر صادق ابن محمد الباقر ابن علی زین
العابدین ابن حسین الشہید ابن امیر المومنین علی ابن ابیطالب سلام اللہ علیہم میں
حاضر ہوا یہ شہر بزرگ اور پُر جمعیت ہے۔ ابن بطوطہ کی اس عبارت نے
صاف طرح سے اس امر کو بتا دیا کہ جس وقت سیاح موصوف مشہد کی زیارت
سے مشرف ہوئے ہیں اس وقت مشہد نہ کوئی قریہ تھا اور نہ قصبہ بلکہ مشہد
اس وقت حدودِ شہر میں داخل ہو چکا تھا اور آبادی بھی اس وقت کثیر ہو گئی
تھی اسی وجہ سے ابن بطوطہ نے اس شہر کو شہر اعظم و اکبر اور پُر جمعیت لکھا
ہے اور یہ بھی ابن بطوطہ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں سناباد کا نام
محو ہو چکا تھا اور بجائے سناباد کے اس مقام کا نام مشہد مشہور ہو چکا تھا اسی لئے
ابن بطوطہ نے اس مقام کا ذکر شہر مشہد کے نام سے کیا ہے ان مؤلفین و مؤرخین
کے بیانات اس امر پر شہادت دیتے ہیں کہ قدیم زمانہ میں یہ مقام ایک قریہ
تھا اس کے بعد ترقی ہوئی اور قصبہ کی حدود میں داخل ہوا اور سنہ ۳۴ھ

ہیں جبکہ ابن بطوطہ نے اس مقام کی زیارت کی تھی تو اس وقت یہ مقام ایک پرجمعیت شہر تھا گویا اس مقام کی آبادی برابر تدریجاً ترقی کرتی رہی اور ہر زمانہ میں یہ مقام اپنی آبادی کو زیادہ کرتا رہا ہے۔ لیکن ابھی تک شہر طوس کا وجود باقی تھا مگر قاضی نور اللہ شوشتری علیہ الرحمۃ شہید ثالث کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جناب قاضی صاحب موصوف کے زمانہ میں شہر طوس کا نام بھی منسوخ ہو گیا تھا اور اس زمانہ میں کوئی آبادی شہر طوس میں باقی نہ رہی تھی۔ جیسا کہ مجالس المومنین کی عبارت کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے مشہد مقدس رضوی ایک قریہ تھا کہ جس کا نام اسوقت سناباد مشہور تھا اور وہ نواح طوس میں سے تھا لیکن بوجہ مرقد منور جناب امام رضا علیہ السلام کے تھوڑی مدت کے بعد اس مقام کا شمار اعاظم بلادِ خراسان میں ہو گیا اور شہر طوس منسوخ بلکہ مندرس و مطموس ہو گیا۔ جناب قاضی نور اللہ شوشتری علیہ الرحمۃ شہید ثالث کی عبارت سے اس سبب کا پتہ بھی مل گیا کہ جس کی وجہ سے اس شہر مقدس نے اس حد پر ترقی کی کہ اسکا شمار اعاظم بلاد خراسان میں ہونے لگا اور وہ سبب صرف مرقدِ منور کا اس مقام پر ہونا تھا۔ ورنہ ظاہر میں کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ایک قریہ اس حد پر ترقی کر جاسے کہ وہ ملک کے عظیم الشان شہروں میں شمار ہونے لگے کسی شہر کی آبادی اور اسکی وسعت اُن اسباب پر موقوف ہوتی ہے کہ جن کا تعلق اس مقام سے ہوتا ہے۔ بنی آدم کی آسایش اور آرام اور تجارت وغیرہ کی وجہ سے آبادیوں میں کثرت اور شہروں میں رونق۔ تمدن و تہذیب ترقی

پذیر واقع ہوا کرتی ہے اور یا کچھ خارجی اسباب ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ جسکی
وجہ سے وہ مقام اپنی آبادی اور تہذیب و علم و فضل میں ترقی کر جاتا ہے یہ
ظاہر ہے کہ طوس اس ملک کا ایک ایسا صدر مقام تھا کہ جسکی موجودگی میں اس مقام
کا ترقی کرنا خیال میں نہیں آسکتا تھا کیونکہ آب و ہوا، تمدن و تہذیب، تجارت
و حرفت۔ غرض تمام وہ خوبیاں کہ جسکی ضرورت انسان کو اپنی زندگی میں پڑتی ہے
اس مقام پر موجود نہیں۔ آبادی بارونق۔ عمارات عظیم الشان مانع ہو رہی تھیں
کہ اس مقام میں ترقی ہو سکے۔ اسباب خارجیہ بھی ایسے موجود نہ تھے اور ایسے محرکات
بھی مفقود تھے کہ جسکی وجہ سے عام طور پر آبادیوں میں ترقی اور رونق ہوا کرتی
ہے۔ ہاں صرف ایک ایسی نورانیت کا جلوہ تھا کہ جو اپنی طرف قلوب کو جذب
کئے لیتی تھی۔ اور جب اس نور کی ضیا باریاں ارض مقدس مشہد سے نکلکر قلوب
مومنین صادقین پر پڑتی تھیں تو خود بخود قلوب اس روشنی کو دیکھکر اس طرف
مائل ہوتے تھے الجنس یمیل الی الجنس پر غور کرنا چاہئے اور اس کے بعد
شیعتنا خلقوا من فاضل طینتنا پر نظر ڈالنا چاہئے اسکے بعد یہ مسئلہ خود بخود ذہن
میں آجائے گا۔ کہ کیوں اور کس وجہ سے اس مقام مقدس کی آبادی میں زیادتی
اور ترقی ہوئی۔ ہر وہ قلب کہ جس میں نور ایمان کی جھلک ہو گی وہ ضرور اپنے
تقاضائے فطری سے اس امر کا خواہشمند ہو گا کہ جوار معصوم کا اسکو شرف حاصل
ہو اور اسی اشتیاق میں وہ اپنے قدیم وطن کو ترک کر کے اس مقام پر سکونت
اختیار کرے گا اور حقیقت میں ایسا کون مومن ہو سکتا ہے کہ دنیا کی زمین اور

اسکی سکونت کو ترک کر کے جنت الفردوس میں اپنا گھر بنائے۔ مشہد مقدس تو ایک ٹکڑا جنت کا ہے جیسا کہ صدر کتاب میں بیان ہو چکا ہے۔ پس یہی اسباب اور وجوہ تھے کہ مشہد کی آبادی برابر اس وقت سے ترقی پذیر ہے اور شہر کی رونق بڑھتی چلی جاتی ہے اول اول اس شہر کی ترقی اس طرح شروع ہوئی کہ روسا اور امرا نے برکت کے خیال سے بڑی اور عظیم الشان عمارتیں مقبروں کے واسطے تعمیر کرائیں اور اس مقام کو پر رونق بنایا۔ مختلف خانوادوں نے مختلف اوقات میں روضہ مقدسہ کے حوالی میں اپنے سکونتی مکان عظیم الشان عمارتیں اور محلسرائیں تعمیر کرائیں۔ اسی طرح تھوڑے ہی زمانہ میں شہر مشہد کا شمار اعاظم بلادِ معمورۂ خراسان میں ہو گیا۔

صاحب کتاب چلپی نے اپنی کتاب جہان نما میں اس مطلب پر روشنی ڈالی ہے فرماتے ہیں در سال دویست و سہ ۲۰۳ھ ہجری حضرت علیؑ الرضا در طوس رحلت فرمودہ در قریہ سناباد مدفون شدند از ان روز آن قریہ بمشہد موسوم و مشہور گردید و شہر عظیم یافت بعد ارباب مکنت و صاحبانِ ثروت و ریاست در حوالی آن مرقدِ مطہر مقابر برائے خود ساختند و باقبۂ عالیہ آنجا را مزین کردند؛

اس عبارت نے بتلا دیا کہ شہرِ مشہد کی زینت اور ترقی میں ان امرا کا بہت بڑا حصہ ہے کہ جنھوں نے اپنی عظیم الشان عمارات اور سر بفلک بلند میناروں سے اس مقام کی رونق بڑھانے میں کوشش کی اور اس مقام پر عالیشان مقابر کی تعمیر کرائی۔ یوں تو بہت سے اور کثیر امرا نے اپنی توجہ کو اس طرف مبذول فرمایا خصوصًا سلاطینِ تیموریہ نے اپنے اپنے زمانہ میں جو کچھ توجہ اس شہر کی رونق

اور افزونی میں فرمائی وہ کسی واقفِ خبر پر پوشیدہ نہیں ہے۔ لیکن میں کہہ سکتا ہوں کہ گوہر شاد آغا خانم زوجہ شاہزادہ مرزا شاہ رُخ پسر امیر تیمور گورگانی کی توجہ اور انہماک ہمارے واسطے باعثِ صد شکر اور امتنان ہونا چاہیئے کہ اس حوّا نے ایک ایسی عالیشان مسجد کی بنیاد ڈالی اور اسکی تعمیر کرائی کہ جس نے شہر مشہد کی رونق کو دوبالا کر دیا جیسا کہ صاحب روضۃ الصفا کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے
"مرزا شاہ رُخ پسر امیر تیمور درہماں وقتیکہ زوجہ او گوہر شاد خانم مسجد گوہر شاد را در جنب حرم مطہر رضوی می ساخت بہ تزئین روضۂ حضرت پرداخت"

عبارت بالا سے یہ ظاہر ہو گیا کہ مسجد گوہر شاد کو جو کہ شہر مشہد کی مشہور عمارات میں ہے اور جسکی وجہ سے شہر کی رونق میں ایک کافی زیادتی ہوئی ہے اسکو گوہر شاد خانم زوجہ مرزا شاہ رُخ نے تعمیر کرایا تھا۔ اسی طرح اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مرزا شاہ رُخ پسر امیر تیمور نے روضہ مبارکہ کی تزئین میں خاص حصہ لیا تھا اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اگرچہ نادر شاہ افشار ایک بے رحم اور حریص شخص تھا لیکن اُسنے بھی اس شہر کی رونق بڑھانے میں کوشش کی اور اپنے لیے ایک مقبرہ کی بنیاد ڈالکر اسکو تکمیل کو پہنچایا اور اسکے بیٹے مرزا قلی نے بھی مقبرہ نادری کے محاذ میں ایک مقبرہ اپنے واسطے تعمیر کرایا اور اسی طرح شاہ عباس اول و ثانی اور شاہ سلطان حسین نے اس شہر کو بارونق بنانے میں بہت کچھ حصہ لیا اور عمدہ عمارات اور مدارس کا اہتمام کرکے ہمیشہ کے واسطے اس مقام مقدس کی زینت بڑھا کر فرقۂ شیعہ کو اپنا ممنون بنا لیا۔

خراسان میں خلیفہ ہارون کی آمد

یہ امر ظاہر ہے اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ ہارون نے اپنا دارالسلطنت
عراق عرب کے مشہور شہر بغداد میں قرار دیا تھا اور اسی شہر کو ہر طرح سے مستحکم کر کے طرح
طرح کے اسباب زیب وزینت اور آرائش سے آراستہ اور مزین کیا تھا اور اس وقت یہ شہر
ایسا خوبصورت اور دلفریب بنگیا تھا کہ دنیا کا کوئی مشہور سے مشہور شہر بھی اسکا
مقابلہ نہیں کرسکتا تھا بلند وبالا اور عالیشان عمارتیں عظیم الشان اور عجیب و
غریب خانقاہیں اس شہر کو چار دانگ عالم میں مشہور کر رہی تھیں۔ شاہی قصور
اور محلسراؤں کے بلند اور سربفلک مینارے مساجد ومدارس کے مدوّر اور منبت
بروج دیکھنے والے کے قلب کو دور سے اپنی طرف کھینچتے تھے۔ اہل علم اور علما کے
مذاکرات جدید اور نئی تحقیقات اور انکشافات بذات خود ایسے امور تھے کہ جنھوں
نے شہر بغداد کو عالم میں مشہور کر رکھا تھا۔ بوعلی سینا اور ذکریا رازی اور
دیگر علماء اور فضلا اس شہر کے سرمایہ فخر و ناز تھے بغداد یونیورسٹی نے بھی اسی
مقام پر اپنا جنم لیا تھا اور ایسے ایسے عالم و فاضل پیدا کئے تھے کہ جن کا آج
تک عراق عرب میں مثل ونظیر پیدا نہیں ہوا۔ یہیں کے علماء نے اپنے زمانہ میں
کوس لمن الملک بجایا تھا اور اسی مقام کی تہذیب اور شائستگی تمام دنیا کے
واسطے دستور العمل قرار پائی تھی غرض ہر طرح کی دلچسپی کے سامان اور ہر عنوان
کی زیب وزینت کے اسباب یہاں موجود تھے۔ ایسے اسباب کی موجودگی میں

ہارون کا اس مقام کو چھوڑنا اور ملک خراسان کا سفر اختیار کرنا بلا وجہ نہیں ہو سکتا ہے۔ اگرچہ عام مورخین نے اس کا سبب اپنی تالیفات میں ذکر نہیں فرمایا ہے۔ لیکن علامہ ذکریا ابن محمد ابن محمود قزوینی نے اپنی کتاب آثار البلاد میں اس امر سے تعرض فرمایا ہے ہم کتاب مذکور سے بجنسہ عبارت ذیل میں درج کرتے ہیں۔

گویند۔ منجمین خبر دادند کہ ہارون در طوس خواہد مرد ہارون گفت من ہرگز قدم باین خاک نخواہم گذاشت۔ پس از چندے رافع ابن لیث رایت طغیان برافراشت و کار او بالا گرفت۔ ہارون را عرضہ داشتند کہ تا خود بدفع او نہ روی رفع این فتنہ نخواہد شد۔ ہارون از توجہ باین ناحیہ اکراہ داشت گفتند مصالح ملک را بجہت حکم منجمین مہمل نتوان گذاشت۔ و ممکن ست بخراسان رفتن و درون طوس نروی بنابراین ہارون بخراسان آمد۔ چون بنیشاپور رسید شبے راہ را گم کردند و شب دست راندند۔ صبحگاہ نزدیک دروازہ طوس بودند ہارون چون این ناحیہ بدید۔ بر خود بلرزید و ہرچہ خواست خود را ازین اندیشہ منصرف سازد نتوانست و بر اضطراب او افزود۔ تا در گذشت (انتہیٰ بقدر حاجتہ)

آثار البلاد کی اس عبارت سے بلا کسی شک وشبہ کے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ رافع ابن لیث نے ملک خراسان میں علم بغاوت سلطنت کی مخالفت میں بلند کر رکھا تھا اس لئے ہارون اس فتنہ و فساد کے دبانے کی غرض سے خراسان کی طرف سفر کرنے پر مجبور ہوا اور ہارون نے ضرور چاہا کہ شہر طوس میں بلا وارد ہوئے

ملکِ خراسان میں پہنچ جائے۔ لیکن حکم قضا و قدر سے چونکہ کسی انسان کو چارہ نہیں اس لئے ہارون مع اپنی فوج کے بوجہ گم کرنے راہ کے شہر طوس ہی کے دروازہ پر پہنچگیا اور یہاں پر ہارون کو سکندر اعظم کے خواب اور ارسطو کی تعبیر کا حال معلوم ہوا اس لئے ہارون نے بنائے اسکندری میں دفن ہونے کی وصیت کی اور عبداللہ مامون کے حکم سے اسی بنائے اسکندری میں جو حمید ابن قحطبہ کے باغ میں واقع تھی ہارون دفن کیا گیا۔

امامؑ کی مدینہ سے خراسان کو ہجرت

اگرچہ مذہبی نقطہ خیال سے مدینۃ الرسولؐ حجاز عرب کا ایک عظیم الشان اور نہایت مقدس شہر سمجھا جاتا ہے اور یہ خطۂ مقدسہ بعد ہجرت جناب رسالتمآبؐ محمد و آلِ محمدؑ کے لئے جائے پناہ اور مقام امن قرار پایا۔ اسی مقام سے آفتاب نبوت کی شعاعوں نے اپنی ضیا باری کر کے تمام کرۂ ارض کو روشن و منور کیا اور اسی ارض مقدس میں جسدِ اطہر جناب رسالتمآبؐ دفن کیا گیا اور یہیں کی زمین گوہر عصمت و طہارت جنابِ سیدۂ کونین کے جسم مبارک کو اپنے آغوش میں لئے ہوئے امانت و حفاظت کے فرائض کو باحسنِ وجوہ ادا کر رہی ہے۔ جناب امام علی الرضا سلام اللہ علیہ کے آبائے طاہرین کی قبور اور زیارات کا شرف بھی اس سرزمین کو حاصل ہے اور احکام اسلام کی ترویج قوانینِ الٰہیہ کی اشاعت نے اس ارض مقدس کو تقدس کے اعلیٰ درجہ پر پہنچا دیا ہے۔

کہ کوئی دوسرا شہر اسکا ہم پلہ اور مساوی المرتبہ نہیں سمجھا جا سکتا۔ لیکن باوجود ان
سب فضائل اور مراتب کے تاریخ سے اس امر کا پتہ لگتا ہے کہ جناب امام ثامن حضرت
علی الرضا صلوات اللہ علیہ کی شہادتِ باسعادت بلادِ خراسان کے شہر طوس
میں واقع ہوئی اور جسدِ اطہر مشہدِ مقدس کی سرزمین میں سپرد خاک کیا گیا اس
واقعہ کو تاریخ میں دیکھ کر ہر شخص کے دل میں قدرتاً یہ سوال پیدا ہو سکتا
ہے کہ ایسے مقام مقدس کو خاندان نبوت کے اس بیش بہا اور انمول موتی نے
کن اسباب اور کن وجوہ سے ترک فرمایا اور ملک ایران کے اس شہر کو کہ جو
شہر مقدس کے نام سے مشہور و معروف ہے کیوں اور کس وجہ سے اختیار کیا ہے کیا
دنیا طلبی اور ملک و دولت کی حرص و طمع نے اُن حضرت کو اس امر پر آمادہ کیا
یا کچھ دیگر ایسے اسباب پیدا ہو گئے تھے کہ جنکی وجہ سے روضۂ رسولؐ کی مجاورت
مجبوراً ترک کی گئی یہ ایسے سوالات ہیں کہ ذہن میں خود بخود پیدا ہو سکتے ہیں اور
ممکن ہے کہ تاریخ حقیقی پر نظر نہ رکھنے والے حضرات اس غلط نتیجہ پر پہنچیں کہ حضرت
علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام نے محض ولی عہدی اور دنیا طلبی کی خاطر اس سفر کو
اختیار کیا تھا اور آپ روضہ رسولؐ کی مجاورت ترک کر کے اپنی رضا و رغبت سے
عازم ملک خراسان ہوئے لیکن کوئی تاریخ داں اور ذریتِ طیبہ کے حالات اور عادات
سے واقفکار ہرگز اس امر کا یقین نہیں کر سکتا اور نہ اس مطلب پر کوئی تاریخی شہادت
کسی شخص کو حاصل ہو سکتی ہے۔ بلکہ تواریخ اسلام برابر آپکے استغنا، کریم الطرفی بے نفسی
کے ایسے ایسے واقعات اور حالات پیش کرتی ہیں کہ جن پر نظر کرنے سے ہر شخص

یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ آپ کی ذاتِ مبارک ایسی اعلیٰ ترین اوصاف سے متصف تھی کہ جس کے بے لوث دامن پر دنیا طلبی اور حرص و طمع کا دھبہ کسی وقت میں بھی نہیں لگ سکتا اور نہ آپ حکومت و سلطنت کے کبھی خواہشمند ہوئے ۔ بلکہ ہمیشہ دنیوی حکومت اور سلطنت سے آپ کراہت فرماتے رہے جو سوال وجواب اور گفتگو آپنے عبداللہ مامون سے فرمائی ہے اس سے صاف صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ آپ جس طرح قبول سلطنت سے کراہت فرماتے ہے اسی طرح آپ نے قبولِ ولیعہدی سے بھی نارضامندی ظاہر فرمائی۔

مامون عرض کرتا ہے کہ یا ابن رسولؐ اللہ آپ کا علم وفضل۔ آپ کا ورع وتقویٰ اور طاعت خدا ہم پر کیا ساری دنیا پر منکشف ہے بیشک آپ ہمہ صفت امرِ خلافت کے زیادہ مستحق اور سزاوار ہیں ۔ مسندِ خلافت کو قبول فرمائے اور اپنے قدوم میمنت لزوم سے تختِ امارت کو زیب و زینت دیجئے حضرت اسکے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں ۔ کہ تمام فخر و بزرگی خدا وند رب العالمین کے لئے شایان اور سزاوار ہے ۔ عقلائے زمانہ تعلقات دنیا سے خاصکر اس لئے احتیاط اختیار کرتے ہیں کہ وہ اپنے نفس کو اُس کے شر اور مفسدے سے محفوظ رکھیں دنیا کی حرام چیزوں سے اس لئے پرہیز کرتے ہیں کہ اپنے اس پرہیز کے سبب وہ نعمات الٰہی پر فائز ہوں ۔ دنیا میں تواضع اور انکساری اس لئے اختیار کی جاتی ہے کہ اس کے سبب لوگوں کی ذاتی قدر و منزلت اور زیادہ ہوتی ہے اور انکے مراتب اور مدارج میں نمایاں ترقی اور اضافہ ہوتا ہے اس جواب کو سنکر مامون نے دوبارہ منت وسماجت عرض کیا کہ اب تو میں عزم بالجزم کر چکا

ہوں کہ امر خلافت سے دستبردار ہو کر آپ کو اس امر پر منصوب و مامور کردوں
اس کے جواب میں آپنے فرمایا کہ اے امیر اگر یہ خلافت تمہاری ہے بایں معنی - کہ
حضرت واہب العطایا نے اس کا خلعت تمہیں پہنایا ہے تو اس کے عطیہ کو اپنے
بدن سے اتارنا اور دوسرے کو پہنانا کب روا ہو سکتا ہے اور اگر یہ تمہاری
چیز نہیں ہے اور پرایا مال ہے تو تم غیر کو دینے کے کیسے مستحق ہو سکتے ہو - ناچار
ہو کر مامون نے عرض کیا کہ اگر امر خلافت قبول نہیں کیا جاتا تو میری ولیعہدی قبول
فرمائیے - اسکے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اپنے آبائے طاہرین سلام
اللہ علیہم اجمعین کے ارشاد سے معلوم ہوا ہے کہ یہ امر تمام نہ ہوگا اور میں تم سے
پہلے تمام ہو جاؤں گا مجھکو زہر دغا سے شہید کریں گے ملائکہ ارض وسما میری غربت
پر روئیں گے اور اسی غربت کے عالم میں میں تیرے باپ ہارون کی قبر کے قریب
دفن کیا جاؤں گا - یہ سنکر مامون کہنے لگا یہ کس کا مقدور ہے کہ میری زندگی
میں ایسی جرأت کرے آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر مناسب وقت سمجھتا تو میں اسی وقت
اپنے قاتل کا نام بھی تجھے بتا دیتا مگر میں قبل از وقوع کسی واقعہ کے اظہار کو شعار
عقل نہیں جانتا مامون کے متواتر اصرار پر اصرار اور حضرت امام رضا علیہ السلام
کے بار بار انکار کی تصویر جن الفاظ میں خواجہ محمد پارسا نے اپنی کتاب فصل الخطاب
میں کھینچی ہے ہم اس کو بجنسہ ذیل میں اپنے ناظرین کی دلچسپی کے لیے درج کرتے ہیں
وجرت فی ذالک مخاطبات کثیرۃ والح علیہ المامون مرۃ بعد اخری و
فی کلہا یابی وقال بالعبودیۃ اللہ افتخر وبالزھد فی الدنیا ارجو النجعۃ

عند اللہ تعالیٰ وکلما الح علیہ یقول اللہم لا عہد الا عہدک ولا ولایۃ
الا من قبلک توفقنی لاقامۃ دینک واحیاء سنۃ نبیک فانک نعم المولیٰ
ونعم النصیر یعنی حضرت امام رضا علیہ السلام اور مامون میں مختلف قسم کے کلام
ہوتے رہے اور مامون برابر استدعا کرتا رہا لیکن آپ برابر انکار فرماتے رہے۔ اور
ارشاد کرتے رہے کہ میں اپنے بندۂ خدا ہونے کی شان کو اپنے لیے ہزار افتخار کا باعث
سمجھتا ہوں اور علائق دنیا کے ترک کو اپنے علو مرتبت کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔ اور
جسقدر مامون اصرار کرتا تھا آپ درگاہ رب العزت میں دونوں ہاتھ بلند فرما کر
عرض کرتے تھے کہ بار الٰہا کوئی عہدہ سوائے تیرے عہدہ عطا کردہ کے نہیں ہے
اور کوئی ولایت سوائے تیری ولایت کے نہیں ہے پروردگار تو مجھ کو اپنے دین پر
قائم رہنے اور تیرے نبی کے احکام کو جاری اور زندہ رکھنے کی توفیق عنایت فرما
کیونکہ تو سب مالکوں سے بہتر مالک اور سب مددگاروں سے بہتر مددگار ہے اب
تو مامون کسی قدر چیں بجبیں ہو کر کہنے لگا کہ آپ کا مقصود دلی یہ ہے کہ اہل دنیا
میرا اصرار پر اصرار اور آپ کا انکار پہ انکار دیکھ کر آپ کے زہد اور استغنا اور ترک
علائق کا یقین کامل کریں اور میرے ذاتی عجز اور طبیعت کی کمزوری ثابت
ہو ارشاد فرمایا کہ اے امیر میں نے اپنی تمام عمر میں کبھی جھوٹ نہیں بولا حصول دنیا
کے لیے محض ظاہری طور پر دنیا سے نفرت کرنا میرا شیوہ نہیں لیکن ان امور کی
تکرار اور بار بار اصرار سے جو تیرا مقصود ہے وہ میں البتہ تجھ سے ظاہر کئے دیتا
ہوں۔ تیرا مقصود یہ ہے کہ لوگ کہیں کہ علی ابن موسیٰ (علیہ السلام) حقیقت میں تارک

دیتا نہیں تھے۔ بلکہ خود و بتانے ایک خاص مدت تک انہیں چھوڑ رکھا تھا جب دنیا
نے انکی طرف رجوع کیا تو پھر بکمال رغبت و خواہش وہ اس میں آلودہ ہو گئے یہ سنکر
مامون بہت زیادہ برہم ہوا اور اسی حالت میں کہنے لگا کہ آپ برابر میری اس
التجا اور استدعا پر انکار کرتے جاتے ہیں اور میری موجودہ سطوت سے ذرا نہیں
ڈرتے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر آپ میری ولیعہدی کو قبول نہ فرمائیں گے
تو میں تحقیر و توہین سلطنت کے جرم میں آپکو قتل کر ڈالونگا۔ یہ سنا تھا کہ جناب امام موسیٰ الرضا
علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جب یہ معاملات ان حدود تک پہنچ گئے تو اب مجھے تیری استدعا
قبول کئے بغیر کوئی چارہ نہیں کیونکہ اب میرا انکار میری ہلاکت کا باعث ہوگا اس لئے
آیۂ وافی ہدایہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ کی تعمیل مجھ پر واجب ہو گئی میں تیری
ولیعہدی کو تو قبول کرتا ہوں مگر ان شرائط پر کہ میں کاروبار سلطنت میں کوئی
دخل نہ دوں گا۔ نہ کسی کو معزول کروں گا اور نہ کسی کو مامور۔ نہ کسی آئین ملکی کو
تبدیل کروں گا اور نہ کسی قواعد ملکی کو تغیر ہاں ان امور کی مداخلت سے علیحدہ
رہ کر تمکو ان تمام امور ملکی میں جنمیں تجھکو میرے مشورہ کی ضرورت ہوا کرے گی
جو حکم خدا اور شریعت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق و مصلحت وقت کے موافق
ہوں گے مشورہ دیا کروں گا۔ مامون نے یہ شرائط قبول کر لئے اس کے بعد آپنے اپنے
دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے اور درگاہ باری میں عرض کیا کہ پروردگار تو
جانتا ہے کہ اس امر کو میں نے مجبوری اور ناچاری اور قتل ہونے کے خوف سے قبول
کیا ہے۔ خداوندا تو میرے اس فعل پر مجھ سے بھی اسی طرح کوئی مواخذہ نہ فرمائیو

جس طرح جناب یوسفؑ اور حضرت دانیال علیٰ نبینا و آلہ علیہم السلام سے ان معاملات کے متعلق کوئی بازپرس نہیں فرمائی جائے گی۔ پھر اسکے بعد آپنے یہ کلمات دعائیہ درگاہ باری میں عرض کیے اللھم لا عھد الا عھدك ولا ولایة الا من قبلك فوفقنی لاقامة دینك واحیاء سنة نبیك فانك نعم المولیٰ ونعم النصیر یعنی کوئی عہد سوائے تیرے عہد کے اور کوئی ولایت سوائے تیری ولایت کے نہیں ہے تو مجھے اپنے دین پر قائم رہنے اور اپنے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت زندہ کرنے کی راہوں پر مستقل رہنے کی توفیق عنایت فرما۔ بہرحال ان تمام حالات اور تاریخی شہادات سے ہر شخص آسانی کے ساتھ یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ نفس مقدس جناب امام ضامن ثامن حضرت علی رضا علیہ السلام نے دنیا اور اسکی دولت و حکومت کو اس طرح ترک فرمایا تھا کہ جب تک مامون نے آپ کی شہادت اور قتل کی دھمکی نہیں دی اسوقت تک آپ نے سلطنت اور اسکی ولیعہدی جیسے عظیم الشان مرتبہ کو قبول نہیں فرمایا اور دنیا کی حشمت و حکومت آپکی نظر میں اسقدر حقیر اور ذلیل تھی کہ آپ اسپر کسی طرح بھی راضی نہیں ہوتے تھے خود اس امر کا اقرار مامون کے وزیر فضل نے ایک جلسہ میں کیا ہے۔ چنانچہ منقول ہے کہ ان ہی ایام میں ایکدن فضل ابن سہل نے مامون کے پاس آکر کہا کہ سخت تعجب ہے اور یہ کہکر وہ خاموش ہوگیا۔ حاضرین مجلس نے اس تعجب کا سبب اس سے دریافت کیا تو اس نے کہا کہ اس سے بڑھکر تعجب کی اور کون سی بات ہوگی کہ امیر المومنین حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے آگے خلافت پیش کرتے ہیں وہ اسکو اپنے لئے بار جانتے ہیں اور قبول نہیں کرتے خدا کی قسم میں نے آج تک یا دشاہی اور سلطنت کو ایسا ذلیل و خوار ہوتے ہوئے نہیں دیکھا جیسا کہ ان دنوں اپنی آنکھوں سے

آپ دیکھ رہا ہوں فضل کے ان فقرات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا سلطنت اور حکومت
کو جیسے یہ تو از انکار حضرت چنیوکر تھا کہ آپ کی نظر میں دنیا اور اسکی حکومت و دولت ایسی ذلیل اور
حقیر تھی کہ جس کی وجہ سے آپ مامون کی عرض و معروض پر مطلق توجہ نہیں فرماتے تھے ایسے
حالات کے ہوتے ہوئے ۔ کون شخص اس امر کا یقین کر سکتا ہے کہ مدینۃ الرسول سے سفر اختیار کرنا
اور سفر خراسان کو تایاد فرمانا محض دنیا طلبی اور حصول حکومت و سلطنت کی غرض سے تھا بلکہ
ان تمام حالات اور واقعات سے ہر شخص یہ ہی نتیجہ نکال سکتا ہے کہ اس سفر کا باعث کوئی
دوسرا ہی امر تھا کہ جسکی وجہ سے آپنے مدینۃ الرسول جیسے مقدس اور متبرک مقام کو ترک فرما کر
سفر خراسان اختیار فرمایا تھا ۔ مورخ طبری نے اپنی مشہور تاریخ میں آپکے اس سفر کا جو سبب
تحریر کیا ہے ہم اسکی عبارت بعینہ ذیل میں درج کرتے ہیں ۔

خبرہائے بغداد بمامون نمی رسید و فضل ابن سہل بسیارے از وے می پوشید می گفت کہ
علویان این ہمہ می کنند و در ہر شہرے علوی بر خاستہ است و خویشتن را دعوت می کنند
نمی گفت کہ این ہمہ از بہر حسن می کنند کہ او را نمی خواہند مامون گفت حالا چہ باید کردن و
با ایشان چہ تدبیر باید آوردن آخر ایشان باینجا افتادند کہ یک تن از علوی را بگیرند
مردے پارسا و با علم کہ او را ہمچ شناسد و مامون او را بخراسان بیاورد و عہد خویش و
خلافت پس از خویش او را بدہد تا علویان بدانند کہ پس از خلافت از فرزندان عباس
رضی اللہ عنہ بیرون شدہ و بعلویان افتادہ تا ایشان بیارامند و بر این علویان گرد
آیندہ بحضرت مامون و علویان ہر یک را بجائے خویش بنشانند پس ننگریست کہ این کار
کرا شاید مرا ۔ این زید النار را برادرے بود علی علیہ السلام و او زہمہ علویان کسے از وے

و آثار و پارسا تر بود وے و او پسر زادہ حضرت جعفر صادق علیہ السلام بود و نسب او
ہمچنیں بود کہ علی بن موسی ابن جعفر ابن محمد ابن علی ابن الحسین ابن علی علیہم السلام و او را
پسرے بود کہ نام وے محمد ابن علی ابن موسی (حضرت امام محمد تقی علیہ السلام) بود ہمچنیں
با علم و دانش پس مامون با فضل تدبیر کرد کہ او را ببغداد بیاورند تا مامون او را ولیعہد
خویش کند و مذہب شیعہ اندر میان خلائق پیدا کند۔ دوسرے مقام پر مورخ موصوف
تحریر فرماتے ہیں۔ پس مامون حال خود رجاء ابن ابی ضحاک را و نیز خادمے را کہ
نامش یو یاسر بود از مرو بہ بغداد (مدینہ) فرستاد تا حضرت امام علی ابن موسی الرضا
علیہ السلام را بیارند و بہ مرو مذہب شیعہ پدید کرد و گفت از پس خلیفہ علی سا بود و برد
ستم روا نیست و بنی امیہ بر فرزندان و اولاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و بنی
عباس ستم کردند و حق مر ایشان را بود من خویشتن را خلع نتوانم کرد و لیکن خلافت از
پس خویش علی ابن موسی الرضا علیہ السلام را دادم پس او محمد ابن علی علیہ السلام را۔
مورخ موصوف کی ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ فضل بن سہل اور عبداللہ مامون
نے محض استحکام سلطنت کی غرض سے یہ رائے پاس کی کہ حضرت علی ابن موسی علیہ السلام کو
اپنے بعد ولیعہد بنایا جائے اور آپکو مرو میں طلب کرکے باقاعدہ آپکی ولیعہدی کا اعلان کر دیا
جائے اور اسی غرض سے اپنے ماموں رجاء ابن ابی ضحاک کو مدینہ منورہ روانہ کیا گیا تاکہ
رجاء اپنے ہمراہ آپکو دار السلطنت مرو میں لانے کی کوشش کرے۔ بہرحال رجاء ابن ابی
ضحاک آستانہ امامت پر حاضر ہوا اور شاہی شقہ سلطانی تحائف خدمت اقدس میں
پیش کیے جناب امام موسی الرضا علیہ السلام نے قبل اسکے کہ اس خریطہ سلطانی کو کھلوایا ان

تحایف کی طرف کوئی توجہ فرمائی پہلے اپنے مہمانوں کی خاطر ومدارات کے اہتمام اسی پیمانہ پر فرمائے جو تمام عرب میں آل بنی ہاشم کا مخصوص حصہ قرار پا چکا تھا جب ان کی ضیافت کے اہتمام سے فراغت ہو چکی تو آپ نے مامون کے خط کو کھولکر پڑھا اور فوراً ارشاد فرمایا اے ابی ضحاک انسان ارادہ تقدیر سے مجبور ہے اس وقت تک میں نے اس امر خاص پر اپنی کوئی رغبت اور اپنا کوئی رجحان ظاہر نہیں کیا۔ مگر میرا یہ فعل سلطان وقت کو پسند نہ آیا تو خیر رضاً بقضائہ وتسلیماً لامرہٖ میں خدا پر توکل کرکے تمہارے ساتھ چلنے پر تیار ہوں معصوم کی اس تقریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ سے کوچ اور خراسان کا عزم یہ سب مجبوری کی وجہ سے تھا اور معصوم نے مجبوراً مدینۃ الرسول سے بلا رضا و رغبت سفر غربت اختیار فرمایا تھا یہی وجہ ہے کہ جب سفر کی تمام ضروریات کو مہیا کر کے ۲۰۰ھ میں آپ نے مدینہ منورہ سے ہمیشہ کے لیے کوچ فرمانا چاہا تو آپ اپنے آبائے طاہرین کے قاعدہ کے موافق روضہ جناب سید لحذا پر وداع آخری کے واسطے تشریف لے گئے شیبانی کی زبانی مرقوم ہے کہ جب وہ ناگوار وقت پہنچ گیا کہ حضرت امام موسی الرضا علیہ السلام اپنے جد بزرگوار جناب احمد مختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ اقدس سے ہمیشہ کے لیے وداع ہوں تو میں نے دیکھا کہ آپ بیتابانہ اندر جاتے ہیں اور با نالہ و آہ روضۂ طیبہ سے رخصت ہوتے ہیں اور ظلم کی شکایت کرتے ہیں پھر باہر آکر گریہ و بکا فرماتے ہیں اور پھر اندر واپس جاتے ہیں آپ نے چند بار ایسا ہی کیا جب مجھ سے یہ دیکھ کر رہا نہ گیا تو میں آپکی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کیا آپ نے جواب سلام دیکر ارشاد فرمایا کہ اے محول میں اپنے جد امجد سلام اللہ علیہ من رب الامجد کے مرقد سے جبراً جدا کیا جاتا ہوں اسکے بعد مجھے یہاں آنا نصیب نہ ہوگا اور اسی مسافرت اور

غریب الوطنی میں میری جان جائے گی اور ہارون رشید کی قبر کے نزدیک میں دفن کیا جاؤں گا۔ اس روایت میں تو آپ نے صاف صاف خود ہی ارشاد فرما دیا کہ میں اپنے جد امجد کے روضہ مبارکہ سے جبراً جدا کیا جاتا ہوں اس قول صریح نے ہمکو یقین دلایا کہ یہ جو کچھ بھی ہوا وہ سب مجبوری کی وجہ سے ہوا اور حکم حاکم مرگ مفاجات ایک مشہور مثل ہے اسی کلیہ پر جناب امام رضا علیہ السلام نے عمل فرما کر سفر غربت اختیار فرمایا اور اسی حکم کی وجہ سے مدینۃ الرسول ایسے مقدس شہر سے آپ نے ہمیشہ کے واسطے ہجرت کرنا گوارا فرمائی۔

دوسری روایت سے مستفاد ہوتا ہے کہ رخصت کے وقت آپ حرم سرا میں تشریف لے گئے تمام خویش و اقربا کو جمع کر کے بکمال حسرت و یاس فرمایا کہ مجھکو آج ایسا سفر درپیش ہونے والا ہے جس سے معاودت کی قطعاً امید نہیں یہ سنتے ہی صدائے نالہ و شیون ہر مرد و زن نے بلند کی اور تمام بیت الشرف میں کہرام ہو گیا دولت سرائے عالی امام غریب الغربا علیہ التحیۃ والثنا رکی تقریب رخصت سے ماتم کدہ بن گیا آپ نے حکم دیا کہ بارہ ہزار دینار سرخ میرے تمام اعزہ اور اقارب پر تقسیم کر دے جائیں اور بعد تقسیم کے بعد آپ تشریف لے گئے۔ ہر دو روایت اور شیبانی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سفر میں آپ کو اپنی شہادت کا یقین کامل تھا اور اسی وجہ سے دولت سرا میں نالہ و شیون کی آوازیں بلند ہوئی تھیں۔ پس ایسی حالت میں کوئی شخص بھی یقین نہیں کر سکتا کہ آپ کا یہ سفر دنیا طلبی اور دولت و حکومت کی غرض سے تھا دنیا کی دولت اور اسکی حکومت کی انسان کو اسوقت خواہش ہو سکتی ہے کہ جب انسان کو امید زندگی باقی ہے یہاں حضرت امام علی رضا علیہ السلام اپنی زندگی سے بالکل مایوس دکھائی دیتے ہیں اور برابر اپنی شہادت کے متعلق اپنے اعزہ اور اقارب کو

آپ جبر دے رہے ہیں ایسی صورت میں دنیا طلبی کا الزام آپکی طرف کسطرح عاید ہو سکتا ہے
الغرض اس سفر میں تین سو آدمیوں کی جماعت ہمراہ رکاب تھی جناب ابو جعفر محمد تقی علیہ السلام
کا سن مبارک اسوقت چھ برس کا تھا اس سفر میں محمد ابن اسلم طوسی کجاوہ میں آپکا رفیق تھا
اور اسحاق ابن راہویہ آپکے ناقہ کی مہار پکڑے ہوئے تھا۔ رجاد ابن ضحاک کا بیان ہے کہ
مامون کی تاکید کے مطابق میں مدینہ سے لیکر مرو تک کی مسافت بعیدہ میں برابر آپ کی
رکاب میں حاضر رہا خدائے سبحانہ تعالے کی قسم ایسا متقی ایسا پرہیزگار، اور ایسا خدا کا ہر وقت
یاد کرنے والا اور ہر دم اور ہر لحظہ اپنے جملہ امور میں خدا سے ڈرنے والا میں نے نہیں دیکھا جس شہر میں
منزل گزیں ہوتے تھے وہاں کے باشندے دوڑے ہوئے آتے عام اس سے کہ وہ آپکی معرفت
کلی رکھتے ہوں یا نہیں اور زیارت سے مشرف ہو کر اپنے دین و یقین کی بابت سوالات کرتے اور
آپ بکمال اخلاق اور اشفاق ان کے سوالوں کا جواب دیتے اور احادیث جناب رسولخدا اپنے
آبائے طاہرین کے اسناد اور واسطے سے بیان کرکے ان کی کامل تسکین فرما دیتے تھے جب
میں آپ کو لیکر مرو میں داخل ہوا تو میں نے یہ تمام حال راست راست بے کم و کاست جو کچھ اپنی آنکھوں
سے دیکھا تھا مامون سے بیان کر دیا اس نے یہ تمام روئیداد سنکر کہا اے پسر ابی ضحاک اصل میں
وہ جہان میں سب سے بہتر اور علم و معرفت اور تقویٰ اور طہارت میں سب لوگوں سے افضل و اولیٰ
تر ہیں مگر زنہار تم ان باتوں کا ذکر و اذکار کسی سے نہ کرنا

اس پورے واقعہ سے آپ کے مرو تک پہنچنے کی کیفیت ہمارے ناظرین کو مفصل
معلوم ہو گی لیکن ابھی تک یہ نہیں معلوم ہوا کہ آخر شہر طوس میں آپ کی شہادت کس
طرح واقع ہوئی اس کی اجمالی حالت یہ ہے کہ جب عباسیوں کی مخالفت روز بروز

ترقی بیچ و تاب کھاتی چلی گئی تو آخر ایک دن خود حضرت امام رضا علیہ السلام نے عباسیوں کی
مخالفت اور حسن کی سوء تدبیری کو مامون سے ظاہر فرمایا اور آپ نے رائے دی کہ خود امیر
انتظام عراق کی غرض سے نقل حرکت فرمائے اگرچہ اس رائے سے فضل نے بہت کچھ مخالفت کی
لیکن مامون چند روز کے بعد امام موسی رضا علیہ السلام اور فضل کو اپنے ہمراہ لے کر
بغداد کی طرف روانہ ہوا اس سفر میں باقاعدہ فوج شاہی کے علاوہ صرف شاگرد
پیشہ جماعت کی چار ہزار تعداد بتلائی جاتی ہے۔ پہلی منزل سرخس تھی یہاں پہنچکر
مامون نے فضل کا کام تمام کیا۔ اور یہاں سے مامون جب روانہ ہوا تو دوسری منزل
شہر طوس میں پہنچا اور یہاں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو زہر دغا سے شہید کروا ڈالا
انا للہ وانا الیہ راجعون اور ہارون رشید کی قبر کے پاس دفن کئے گئے۔

بنائے حرم و حوادثات حرم

حرم مطہر کی موجودہ عمارت نہایت شاندار اور وسیع ہے جو کہ وسط شہر میں واقع
ہے اور جسکو دوسری چند عمارتیں احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ اس سے شہر دو حصوں میں
تقسیم ہو جاتا ہے ایک حصہ بالائے خیابان اور دوسرا پائین خیابان کہلاتا ہے
اگرچہ مشہور یہ ہے کہ حرم مطہر کی چہار دیواری کو سکندر اعظم ذوالقرنین نے تعمیر
کرایا تھا۔ لیکن چونکہ کوئی مستند صحیح اسکا نہیں اس لئے یہ امر محل بحث و نظر ہے روایت
عیون سے ظاہر ہوتا ہے کہ قبۂ مبارکہ حضرت امام ثامن علی بن موسی الرضا علیہ السلام
کی پہلی مرتبہ تعمیر عبداللہ مامون کے حکم سے قبل شہادت جناب امام ثامن صلوات اللہ علیہ

واقع ہوئی اور قبۂ ہارونیہ کے ساتھ موسوم کیا گیا فی العیون۔ ثم دخل
دار حمید ابن قحطبۃ الطائی ودخل القبۃ التی فیہا قبر ھارون الرشید
یعنی حضرت امام رضا علیہ السلام نے خانہ حمید ابن قحطبہ میں تشریف لاکر اس قبہ میں نزول
اجلال فرمایا جہاں قبر ہارون الرشید واقع ہے۔ اسی روایت کی تائید ابوصلت
ہروی کے بیان سے بھی ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام
نے ابوصلت کو حکم دیا ادخل ھٰذہ القبۃ التی فیہا قبر ھارون یعنی ای ابوصلت
اس قبہ میں جس میں قبر ہارون ہے داخل ہو۔ ان دونوں روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے
کہ قبر ہارون پر حیات جناب امام رضا علیہ السلام میں ایک قبہ کی تعمیر ہو چکی تھی کہ
جس میں خود حضرت امام رضا علیہ السلام بھی تشریف فرما ہو چکے تھے اور ابوصلت
ہروی کو بھی اس قبہ میں داخل ہونیکا حکم صادر فرمایا اور یہ ظاہر ہے کہ بلا حکم
عبداللہ مامون کے اس قبہ کی تعمیر ناممکن تھی۔ پس معلوم ہوا کہ قبل شہادت جناب
امام علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام مامون رشید نے اپنے باپ ہارون کی قبر پر
ایک قبہ تعمیر کرایا تھا اور اسی قبہ میں حضرت امام رضا علیہ السلام دفن کیے گئے
ودفن فی دار حمید ابن قحطبۃ الطائی التی فیہا قبر ھارون الی جنبہ یعنی حضرت
امام رضا صلوات اللہ علیہ حمید ابن قحطبہ کے مکان کے اس حصہ میں جہاں پر قبر ہارون
ہے دفن کیے گئے اسی مطلب پر دلالت کرتی ہے۔ بہرحال تتبع اخبار و آثار و کلمات
مورخین سے یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ اول مرتبہ قبہ مبارکہ کی تعمیر عبداللہ مامون کے
حکم سے قبل شہادت جناب امام ثامن علیہ السلام واقع ہوئی تھی لیکن چونکہ عالم میں

کسی چیز کے واسطے بقا نہیں اور دنیا کی تمام چیزوں میں تغیر اور انقلاب ہوتا رہتا ہے
اور قدرت کی طرف سے یہ تغیر عالم اسباب کے واسطے ایک حسن قرار دیا گیا ہے۔ دنیا کی جس
چیز کی طرف غور کیا جاتا ہے۔ اور اسپر عمیق نظر ڈالی جاتی ہے تو یہ ہی معلوم ہوتا ہے
کہ عالم کی رونق اور چہل پہل جو کچھ بھی ہے۔ وہ سب اسی تغیر اور انقلاب کا نتیجہ ہے
اور یہ ہی انقلابات اور تغیرات دنیا میں جناب باری عزاسمہ کے وجود کی دلیل
قرار پاتے ہیں۔ اگر عالم ایک ہی حالت پر قائم رہتا اور اس میں کسی قسم کا تغیر اور
انقلاب واقع نہ ہوتا تو دنیا میں کوئی قلب جذبات مسرت سے لطف اندوز ہو سکتا تھا
اور غم و اندوہ کو واقعات قلب میں کسی قسم کی اضطرابی حرکت نہ پیدا کر سکتے تھے۔ گویا
دنیا ایک جسم بے روح یا شراب بے کیف کی مانند ہوتی ہے مسرت اور خوشی کے آثار کسی
قلب کو بیخود بنا سکتے اور نہ کسی وقت حزن و غم کے جانفرسا واقعات قلوب پر
موثر ہو سکتے۔ پس قدرت الہٰی کا یہ مقتضا ہوا کہ عالم ہمیشہ اپنے نئے اور جدید
واقعات سے انسانی دماغ کو تر و تازہ کرتا رہے اور ہمیشہ ایک تازہ روح جسم انسانی
میں اس طرح دوڑتی رہے کہ جس سے مسرت و خوشی کے آثار انسانی قلب کو اپنی طرف
جذب کرتے رہیں اور کبھی حسرت و مایوسی کے خیالات انسان کو محزون اور مغموم
بناتے رہیں تاکہ آئندہ آنیوالی خوشی اور مسرت سے دوبارہ قلب انسانی متاثر ہو سکے
یہ ایک ایسا قاعدہ نظام عالم کی بقا کے واسطے قدرت کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے
کہ دنیا کی کوئی شے بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں رکھی گئی اور یہ ہی قاعدہ ہر چیز میں
عالم اسباب کے جاری کیا گیا چونکہ حرم مطہر بھی اسی کلیہ اور قاعدہ کے تحت میں تھا اسلئے

وہ بھی اس کلیہ سے نہ بچ سکا اور امیر سبکتگین نے تعصب ہی کی بنا پر حرم مطہر کو مسمار اور منہدم کرا کر ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے اپنا نام دشمنانِ آل رسول کی فہرست میں درج کرا لیا اور اس طرح روضۂ مقدس کو منہدم کرایا کہ اپنے خیال میں نام و نشان تک باقی نہ رکھا اور عرصہ تک قبر مبارک اسی حالت میں رہی اور کسی شخص نے بھی دشمنانِ آل رسول کے خوف کی وجہ سے دوبارہ قبۂ مبارکہ کے تعمیر کرانے کی ہمت نہ کی یہ امر تو ظاہر ہے کہ جس طرح حیاتِ معصوم میں مخلوقات الٰہی معصوم کے فیوض و برکات سے بہرہ اندوز رہتی ہے اور خوارقِ عادات اور معجزات کے ذریعہ سے عالم کو ہدایت کا درس ملتا رہتا ہے۔ اسی طرح سے عالم ارواح میں بھی برابر معجزات اور خوارقِ عادات ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور قلوب مومنین ان نورانی شعاعوں کو برابر جذب کرتے رہتے ہیں۔ پس اگر خدانخواستہ قبۂ مبارکہ اور حرم مطہر اسی طرح سے کس مپرسی کی حالت میں رہتا اور نام و نشان تک بھی قبر مبارک کا مٹ جاتا تب بھی فیوض اور برکات کہ جو عالم میں ذات معصوم سے قائم رہتے ہیں ضرور باقی رہتے اور امر ہدایت میں کسی قسم کی کمی واقع نہ ہوتی۔ لیکن چونکہ وعدہ الٰہی ہے کہ نور خدا کو عالم میں کوئی شخص نہیں بجھا سکتا اور جسقدر کفار و منافقین نور خدا کے بجھانے کا ارادہ کریں گے اتنا ہی جناب الٰہی اس نور کو عالم میں ظاہر و منور فرما کر تمام فرمائے گا اس لئے یہ امر بھی ناممکن تھا کہ کوئی شخص ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے قبر مبارک کا نشان مٹا کر مومنین کو شرفِ زیارت اور حضوری دربار سے محروم کر دیں گے امیر سبکتگین نے نشان قبر اور حرم مطہر کے مٹانے میں کسی قسم کی کمی باقی نہیں رکھی اور حرم مطہر کو صفحۂ عالم سے اس طرح مٹانا چاہا کہ آئندہ کوئی شخص فرزند رسول کی قبر مبارک کی زیارت بھی نہ کر سکے اور زائرین کو مختلف قسم کی

اذیتیں اور تکالیف بھی دی گئیں۔ لیکن مشیت الٰہی نے اسی خاندان کے ایک ممبر کو ایسی توفیق عطا فرمائی کہ وہ قبہ مبارکہ کی تعمیر کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے ایک شب خواب میں دیکھا کہ جناب امیرالمومنین ارشاد فرماتے ہیں الی متیٰ ھذا یعنی اے محمود کب تک یہ حالت باقی رہے گی۔ سلطان محمود غزنوی اس خواب کو دیکھ کر متنبہ ہوا اور سمجھا کہ مقصود امیرالمومنین کا قبہ مبارکہ کی تعمیر سے ہے۔ چنانچہ سلطان موصوف قبہ مبارکہ کی تعمیر کی طرف متوجہ ہوا اور آپنے گورنر نیشاپور کو جسکا نام ثورابن معتز ابن مسعود تھا۔ دوبارہ از سر نو تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ سلطان محمود غزنوی کے حکم سے گورنر مذکور کی نگرانی میں سنہ ہجری میں قبر مطہر پر ایک نہایت عالیشان قبہ اور عمارت تعمیر ہوگئی تاریخ کامل

وجدد سلطان محمود عمارۃ المشھد بطوس الّذی فیہ قبر علی ابن موسیٰ الرضا والرشید واحسن عمارتہ وکان ابوہ سبکتگین خربہ وکان اھل طوس یوذون من یزورہ فمنعھم من ذالک وکان سبب ذالک انہ رایٰ امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام فی المنام وھو یقول لہ الیٰ متیٰ ھذا فعلم انہ یرید المشھد فامر بعمارتہ یعنی سلطان محمود غزنوی نے طوس میں عمارت مشہد کی جہاں قبر حضرت علی ابن موسیٰ الرضا اور قبر ہارون ہے تعمیر کرائی حالانکہ اس کے باپ سبکتگین نے اس عمارت کو خراب اور مسمار کیا تھا۔ اور اہل طوس زائرین کو ہر طرح سے اذیت اور تکلیف پہنچاتے تھے۔ پس محمود غزنوی نے شاہی حکم کے ذریعہ سے اہل طوس کو اس فعل شنیع کے ارتکاب سے باز رکھا اور روضہ مبارکہ کے تعمیر کرانے کا سبب واقع ہوا کہ امیر موصوف نے ایک شب کو خواب میں جناب امیرالمومنین علیہ السلام کو دیکھا اور حضرت

ارشاد فرمایا کہ اے محمود کب تک یہ حالت باقی رہیگی پس محمود غزنوی اس خواب سے سمجھا کہ مقصود امیر المومنین کا قبہ مبارکہ کی تعمیر ہے۔ پس فوراً سلطان ممدوح نے قبہ مبارک کی تعمیر کا حکم دیا پھر قبہ مبارکہ اپنی اسی آب و تاب کے ساتھ قلوب مومنین کو اپنی طرف متوجہ کرنے لگا۔ یہ عمارت مدتوں قائم اور برقرار رہی اور مومنین برابر حضوری دربار کا شرف حاصل کرتے رہے۔

جب زمانہ نے پھر کروٹ بدلی اور پلٹا کھایا اور دنیا پر دشمنان آل رسولؐ کا تسلط ہو گیا تو ۵۱۱ھ ہجری میں سلطان غوری نے صوبہ خراسان پر حملہ کیا اور دیگر ملکی قلعوں کے ساتھ حرم مطہر کی عمارت کو بھی دوسری مرتبہ مسمار و ویران کر دیا اور انھوں نے اپنی کینوں کو جو مدت سے اُن کے سینوں میں آل رسولؐ کی طرف سے پوشیدہ چلے آتے تھے ظاہر کر کے عالم کو جتلا دیا کہ آل رسول کی دشمنی میں اس گروہ نے بنی امیہ اور بنی عباس سے بھی اپنا نمبر بڑھا دیا۔ اس لئے کہ اُنھوں نے تو اس وقت آل رسول اور خاندان نبوی کے برباد کرنے کی کوشش کی جبکہ وہ حضرات اس عالم کو اپنے انوار مقدسہ سے ظاہر بظاہر روشن و منور فرما رہے تھے لیکن اس بدبخت گروہ نے اپنے دیرینہ کینوں کی وجہ سے قبر میں بھی آرام چین سے ان حضرات کو نہ سونے دیا اور مومنین کے قلوب نازک پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ جس کی وجہ سے تمام عالم کے مومنین خونی آنسوؤں سے روئے اور یہ زخم اس وقت تک مندمل ہوا جب تک کہ ۵۴۸ھ ہجری میں سلطان سنجر سلجوقی نے ابو طاہر قمی کے ذریعہ جو نہایت پرہیزگار اور دیانت دار افسر تھا اس قبہ مبارکہ کی تعمیر کرا کر فرقہ شیعہ کو اپنا ممنون احسان نہ بنا لیا پھر اسی طرح مومنین و متقین کی آمد و شد ہونے لگی اور حضوری دربار

اور شرف زیارت کی وجہ سے مومنین پھر اپنے قلوب کو اس نور خدا کی نورانی شعاعوں
سے منور کرنے لگے یہ عظیم الشان بنا مدتوں قایم رہی اور روز بروز اسکی آب و تاب اور
رونق میں اضافہ ہوتا رہا اور راہ ہدایت اس مقام سے ایسی صاف نظر آنے لگی کہ
مذہب حقہ کی زینت اور رونق دن بدن بڑھتی ہوئی دکھائی دینے لگی۔ اور
جوق جوق مومنین شرف زیارت سے مشرف ہونے لگے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ؎

اگر فردوس بر روئے زمین است ہمین است و ہمین است و ہمین است

کا مصداق صحیح یہی مقام ہے اور اسی جگہ سے جنت الفردوس تک سیدھا راستہ جاتا ہے
جس کا ایک سرا زمین سے متصل ہے اور دوسرا سرا عالم بالا سے متعلق ہے۔ اس رونق و ترقی کو
دشمنان آل رسول نہ دیکھ سکے اور تیسری مرتبہ نہایت بیدردی سے فتنہ چنگیز خاں میں عمارت
مسمار و ویران کر دی گئی چنگیز خاں کا لڑکا جو اس مہم میں فوج کا افسر تھا جبکہ طوس
پہنچا تو اس نے روضہ مقدسہ اور قبہ مبارک حضرت امام رضا صلوات اللہ علیہ اور شہر
کی دیگر عمارتوں کو منہدم کرا کر بالکل ویران و برباد کرا دیا جیسا کہ علامہ ابن ابی الحدید
اور علامہ ابن اثیر نے اپنی تالیفات میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے ثم عدوا الی طوس
فنہبوہا وقتلوا اہلہا وخربوا المشہد الذی فیہ علی ابن موسی الرضا والرشید
ہارون ابن المہدی وساروا الی ہرات۔ ابن اثیر فی تاریخ الکامل میں لکھا ہے فلما فرغوا
من ذالک سیروا طائفۃ منہم الی طوس ففعلوا بہا کذالک ایضاً وخربوہا
وخربوا المشہد الذی فیہ علی ابن موسی الرضا والرشید حتی جعلوا الجمیع خراباً
ثم ساروا الی ہرات خلاصہ ان عبارات کا یہ ہے کہ ترک و تاتار کے لوگوں نے شہر

طوس کے ساتھ بھی وہی عمل درآمد کیا جو کچھ کہ تمام ملک کے ساتھ کر چکے تھے اور مشہد کو جس میں قبر حضرت رضا علیہ السلام اور قبر ہارون واقع ہے بالکل خراب کر دیا اور اس مقام مقدس کو خراب کر کے ہرات کی طرف چلے گئے۔ ان عبارات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قبہ مبارکہ کے علاوہ ترک و تاتار نے شہر مشہد کو بھی اپنی قتل و غارت سے بالکل ویران و برباد کر دیا تھا اور مدت تک یہ مقام مقدس اسی حالت میں رہا اور شیعیان علیؑ برابر خون کے آنسوؤں سے روتے رہے جب پھر چوتھی مرتبہ سلطان محمد الجایتو بہادر خاں عرف خدا بندہ نے جو خاندان مغلیہ کا پہلا شیعہ بادشاہ ہوا تھا۔ اپنے زمانہ میں قبہ مبارکہ و روضہ منورہ کی تعمیر کرا کر اس مقدس مقام کو پہلے سے زیادہ شاندار اور با رونق بنا دیا تب مومنین مخلصین کے قلوب کو فی الجملہ تسکین ہوئی۔ اس عمارت کی تعریف میں ابن بطوطہ جیسا سیاح بھی رطب اللسان ہے اور ان الفاظ میں اپنی کتاب میں مشہد مقدس کا ذکر کرتا ہے والمشهد المكرم عليه قبة عظيمة في داخل زاوية وتجاورها مدرسة ومسجد وجميعها مليح البناء مصنوع الحيطان بالقاشاني وعلى القبر دكانة خشب ملبسة بصفائح الفضة وعليه قناديل فضة معلقة وعتبة باب القبة فضة وعلى الباب ستر حرير مذهب وهي مبسوطة بانواع البسط وازاء هذا القبر قبر هارون الرشيد۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت ابن بطوطہ نے سنہ ۷۳۲ ہجری میں سفر ایران کیا ہے تو اس وقت حرم مطہر کے در و دیوار کاشی کے کام سے بھی مزین تھے اور قبر مبارک پر چاندی کی قندیلیں بھی آویزاں تھیں اور قبہ مبارکہ کے دروازہ پر ایک ریشمین پردہ

جو کہ سونے کے کام سے منقش تھا لٹکا ہوا تھا اور یہ ظاہر ہے کہ جو کچھ بھی زیب و زینت ہوئی تھی وہ سلطان خدا بندہ ہی کے زمانہ میں دی گئی تھی اور اسی سلطان مغفور نے اپنے نامۂ عمل کو اس کار خیر سے آراستہ اور پیراستہ کیا تھا۔ یہ ہی بنا اس وقت تک موجود ہے اور ہر طرح کے ساز و سامان کے ساتھ آراستہ دکھلائی دیتی ہے البتہ سلاطین صفویہ کے زمانہ میں زلزلۂ شدید کی وجہ سے گنبد مبارک میں ایک انشقاق پیدا ہو گیا تھا اور معاً اسکی درستی اور مرمت بھی شاہ عباس صفوی کے حکم سے عمل میں آگئی اور جو نقصانات اور صدمات حرم مطہر کو پہنچے تھے ان کی تلافی کر دی گئی اور از سر نو درستی اور مرمت کرا کر اس مقدس اور عالیشان عمارت کا تحفظ کر دیا گیا۔

روسی گولہ باری

سنہ ۱۹۱۱ء تک اس مقام مقدس میں کسی قسم کا کوئی حادثہ پیش نہیں آیا اور زائرین اس عرصہ میں برابر امن و اطمینان کے ساتھ روضۂ مبارکہ کی زیارت سے مشرف ہوتے رہے لیکن ۳۰ مارچ سنہ ۱۹۱۲ء مطابق ۱۰ ربیع الاول سنہ ۱۳۳۰ھ میں ایک ایسا ہولناک واقعہ پیش آیا کہ اس سے قبل ایسے حادثہ کا خیال و وہم بھی نہیں ہو سکتا تھا اور نہ تاریخ اپنے اوراق میں ایسی مثالیں پیش کر سکتی ہے کہ اہل یورپ نے اس زمانہ تہذیب اور شائستگی میں ایسے وحشیانہ اور ناشائستہ افعال کا ارتکاب کسی ملک میں کیا ہو۔ روس نے اپنی انسانیت اور تہذیب سے گذر کر حرم مقدس پر ایسی سخت گولہ باری کی

کی کہ جس سے اس محترم عمارت میں بہت نقصان پیدا ہوگیا اس فعل نے روسیوں کی وحشت اور حیوانیت کا پورا پورا ثبوت عالم کے سامنے پیش کر کے تمام اسلامی دنیا میں ایک ہلچل ڈالدی اور دنیائے اسلام کو خون کے آنسوؤں سے رونا پڑا۔ اسلام میں کوئی ایسا فرقہ نہ تھا کہ جو اس واقعہ سے متاثر ہوا ہو۔ اور اسکے قلب پر ایک کاری ضرب نہ لگی ہو۔ لیکن جسقدر صدمہ اور رنج کہ فرقہ حقہ شیعہ کو اس واقعہ سے ہوا وہ ہرگز حیز تحریر میں نہیں آسکتا اس وقت ان کی نظر میں متوکل عباسی کے مظالم کی تصویر پھر گئی۔ اور انھوں نے اپنی مجبوری اور بیکسی کی وجہ سے بطور یادگار اس تاریخ میں مجلس عزائے امام غریب الغربا حضرت علی ابن موسی الرضا علیہ السلام قائم کی اور یہ یادگار برابر اس وقت تک قائم ہے۔

اس میں کسی طرح کا بھی شبہ نہیں کہ آج یورپ تہذیب اور شائستگی کے اس اعلی مرتبہ پر فائز ہے کہ جسکی مثال دنیا کے کسی حصہ میں ملنا دشوار بلکہ محال معلوم ہوتا ہے مگر یورپ کے دامن پر روسیوں کے اس فعل کی وجہ سے ایک ایسا بدنما داغ نظر آنے لگا کہ اگر یورپ اپنی تمام قوت کو بھی اس داغ کے دھونے میں صرف کر ڈالے تب بھی یہ داغ تا قیام قیامت کسی زمانہ میں بھی یورپ کے دامن سے نہیں چھوٹ سکتا ہے اور دنیا کی تاریخ ہمیشہ اس واقعہ کو عالم کے سامنے پیش کرتی رہے گی اب نہ یورپ اس واقعہ ہائلہ کے بعد سے اپنی تہذیب اور شائستگی کا مدعی ہو سکتا ہے اور نہ روسی اپنے اس وحشیانہ فعل پر پردہ ڈالکر اسلامی دنیا میں اپنی عزت و وقار کو قائم کر سکتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ چونکہ ایران میں بدامنی پھیلی ہوئی تھی اور یوسف خان ہراتی جو کہ ایک مفسد اور شریر شخص تھا اس نے قوت حاصل کر کے تمام شہر میں بد امنی اور بےچینی پیدا کردی تھی اور محمد روشنکی اور طالب حق جو کہ فوجی افسر تھے اور ایک بڑی تعداد بلوائیوں کی اسکے ساتھ شامل ہوگئی تھی اور ان سب نے بغاوت پیدا کر کے شہر میں لوٹ مار شروع کردی اور روسی رعایا کی بھی چند دکانیں اسی شورش اور لوٹ مار میں غارت کردی گئیں ۔ اسی وجہ سے روسی قونصل نے اپنی مشین گنوں اور توپخانہ سے کام لیا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بلوائیوں کا قول تھا کہ موجودہ پارلیمنٹری حکومت ہٹا دی جائے ۔ ملکی قانون اور پولیس کو توڑ دیا جائے اور محمد علی شاہ معزول کو دوبارہ تخت نشین کر کے شخصی حکومت کا دروازہ ازسر نو خاندان قاچاریہ کے واسطے مفتوح کردیا جائے اور نیز یہ بھی الزام لگایا جاتا ہے کہ یوسف خان عام رعایا کو کوڑوں اور تازیانوں سے پٹواتا تھا ۔ اور بجبر رعایا سے رشوت میں نقد و جنس وصول کرتا تھا ۔ اور اوسنے تمام ایرانی دفاتر کو صوبہ خراسان سے نیست و نابود کردیا ۔ اور تمام کمسریٹ نے دفاتر پر اپنا قبضہ کرلیا اور حبیب مرزا کو جو کہ ایرانی گورنمنٹ کی طرف سے پولس افسر تھا گرفتار کر کے بالا خیابان کے ایک کوچہ میں بندوق کی گولی سے ہلاک کردیا ؛

یہ بھی دعویٰ کیا جاتا ہے کہ روسی قونصل جنرل نے گورنمنٹ ایران سے درخواست کی کہ اگر موجودہ ایرانی حکومت انتظام سے معذور ہے تو ہم کو

ان بلوائیوں کے انتظام کرنے کی اجازت دیجائے اور اس درخواست کو منظور
کرکے ایرانی گورنمنٹ نے روسی قونصل جنرل کو اجازت دی کہ وہ شہر میں امن و امان
قائم کرے۔ چنانچہ اسی بنا پر تمام شہر والوں کے اسلحہ روسی قونصل کے حکم سے
ضبط کر لئے گئے اور فوجی افسران کو یہ حکم دیدیا کہ وہ ایرانی گورنمنٹ کے جملہ
ملازمین کو مطلع کردیں کہ وہ لوگ روسی قونصل خانہ سے اپنی مقررہ تنخواہیں وصول
کرلیں۔ اور حسب الاعلان جس وقت ایرانی ملازم اپنی تنخواہیں وصول کرنے
روسی قونصل خانہ میں گئے تو ان کے اسلحہ ضبط کرکے تنخواہیں دیدی گئیں اور
انکو گرفتار کرکے عوام کو اس امر سے مطلع کردیا گیا کہ اگر آئندہ بلوائی اسیطرح شہر میں
بدامنی رکھیں گے تو روسی قونصل جنرل اس بات پر مجبور ہوگا کہ شہر پر گولہ باری
کرنیکا حکم صادر فرمائے۔ اس اعلان کو سنکر بھی یوسف خاں کے بلوائی یہ کہتے تھے
کہ یہ حکمت عملی ہے کوئی خوف کی بات نہیں ہے اسی وجہ سے روسی سپاہ نے اپنے
بچاؤ کے لئے خندقیں کھودنی شروع کردیں اور اس کام سے فارغ ہوکر تمام شہر کا
محاصرہ کرلیا تھا۔ گو ان تمام واقعات کی صحت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں معلوم
ہوتی اور ضرور یہ واقعات اس وقت پیش آئے ہوں گے جبکہ یوسف خاں نے ضرور اپنی پوری
حیوانیت کا ثبوت پیش کیا اور غیر روسی رعایا کی دوکانیں لوٹ کر اپنے نامہ اعمال
کو بھی سیاہ کیا مگر ان تمام حالات اور واقعات سے یہ کہیں نہیں ثابت ہوتا۔ کہ
یوسف خاں معہ اپنے ہمراہیوں کے حرم محترم میں بغرض جنگ وجدل اپنے تمام
سامان جنگ کو لئے ہوئے روسی فوج کا مقابلہ کررہا تھا۔ اور وہ حرم محترم کی

عمارت کو بطور قلعہ استعمال میں لانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اور اگر یوسف خاں نیز تمام بلوائی حرم محترم کے اندر داخل بھی ہو گئے تھے تو ان کے اس داخلہ سے یہ امر ہرگز نہیں سمجھا جا سکتا ہے کہ یا انہوں کا مقصود حرم محترم کو قلعہ بنانا تھا یا وہ اس عالیشان عمارت سے قلعہ کا کام لینا چاہتے تھے اس لئے کہ حرم مقدس کی ایک ایسی عمارت ہے کہ جو فوجی نقطہ خیال سے جنگ وجدل کا مقام نہیں قرار پا سکتا اور نہ اس عمارت کے ذریعہ سے کسی قسم کا فوجی تحفظ ہو سکتا ہے اور نہ اس غرض کو ملحوظ رکھتے ہوئے پہلے سلاطین نے اس عمارت کی تعمیر شروع کرائی تھی۔ پھر ایسی حالت میں کیونکر سمجھا جا سکتا ہے کہ یوسف خاں اور ان کے ہمراہیوں کی غرض اس داخلہ سے یہ تھی کہ اس عمارت کو فوجی ضرورت میں لایا جائے اور ایسی مقدس مقام سے روسی فوج کا مقابلہ کیا جائے۔ اگر بلوائیوں اور شورش پسندوں کی یہ غرض ہوتی تو وہ ضرور روسیوں کا مقابلہ کرتے اور جس طرح کہ ایرانی روسیوں کے حملوں مشین گنوں اور توپوں کے فیروں سے مقتول اور مجروح ہوئے۔ اسی طرح روسی سپاہی بھی زخمی اور مجروح ہوتے۔ مگر قونصل جنرل برطانیہ میجر پی ایم سائیکس صاحب سی۔ ایم۔ جی۔ سی۔ آئی۔ ای کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ روسی سپاہ اور فوج میں کوئی شخص بھی ہلاک نہیں ہوا۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں۔ مگر میرے خیال میں بہت ایرانی ہلاک و مجروح ہوئے ہیں۔ روسیوں میں کوئی ہلاک نہیں ہوا صرف دو تین آدمی خفیف زخمی ہوئے کیونکہ اندر والوں کی طرف سے کوئی مزاحمت نہیں کی گئی۔ میجر صاحب موصوف کی تحریر سے معلوم ہوا کہ در اصل ایرانیوں کا منشا روسی فوج سے مقابلہ کا نہیں تھا اور نہ ان کے

پاس اسوقت آتشبازہ اسلحہ موجود تھے کیونکہ ایسے اسلحہ کی موجودگی میں ناممکن تھا
کہ ایرانی اپنی حفاظت خود اختیاری سے بھی دستبردار ہوجاتے حفاظت خود
اختیاری فی نفسہ ایک ایسا فطری حق ہے کہ ہر انسان مجبوری کی حالت میں اُس
سے فائدہ اُٹھانا چاہتا ہے لیکن ایرانیوں نے اپنے اس قدرتی حق سے بھی اس موقع
پر کوئی فائدہ اٹھانا نہیں چاہا اور کسی قسم کی روسی فوج سے مزاحمت نہیں کی گئی اور
نہ روسی گولہ باری کا کوئی جواب دیا گیا یہ ایسا امر ہے کہ جس سے اچھی طرح ثابت
ہوتا ہے کہ حرم محترم کے داخلہ سے نہ تو بلوائیوں کی غرض یہ تھی کہ اس مقام مقدس کو
فوجی ضرورت میں لایا جائے اور نہ اُن کے پاس روسی فوج کے مقابلہ کے واسطے آلات
حرب وضرب موجود تھے اس کے علاوہ یہ خیال بھی نہیں ہوسکتا ہے کہ باغی گروہ نے اس
مقام مقدس میں داخل ہوکر یہ چاہا تھا کہ اس محترم مقام کے تمام تبرکات اور حرم
مقدس کے تمام خزائن و اموال کو غارت کرکے اپنے حرص و طمع کی خواہش کو پورا
کیا جائے ۔ اور انہیں اموال کی امداد و اعانت سے روسی قوت کا مقابلہ کرکے اپنے
اثرات اور شخصی حکومت کو قایم کرلیا جائے کیونکہ تمام باغی اور بلوائی مذہب شیعہ
کی پابندی کے دعویدار تھے اور کوئی شخص ایسی ہمت نہیں کرسکتا ہے کہ وہ جس
مذہب کا پابند ہو اسی مذہب کے مقام مقدس کو غارت کرنیکی کوشش کرے اور
ان خزائن و اموال کو اپنے ذاتی صرف میں لاکر اس امانت الہیہ میں کسی قسم کا تصرف
کرنے کا ارادہ کرے اور نہ واقعات اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ بلوائی اور
شورش پسندوں نے کسی قسم کے اموال پر اپنی دست درازی کی ہو یا حرم مقدس کے

کسی قسم کے سامان کو تلف کیا ہو۔ پھر جب تاریخی واقعات اور عینی شہادات اس
امر کا یقین نہیں دلاتے تو کس طرح یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ باغی گروہ کی غرض اس
داخلہ سے حرم مقدس میں غارتگری اور لوٹ مار کرنا تھا۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
بلوائی حرم مقدس اور مسجد گوہر شاد میں بغرض پناہ داخل ہوئے تھے چونکہ شہر میں عام طور
پر مشین گنوں اور روسی توپوں سے گولہ باری ہو رہی تھی اس لئے ایرانی رعایا اپنے
اپنے مکانات سکونہ کو چھوڑ کر بغرضِ پناہ اس مقامِ مقدس میں داخل ہوئے تھے
تمام عالم میں یہ قاعدہ ہمیشہ سے چلا آتا ہے کہ جب فوجِ مخالف طالبِ امن و امان
ہوتی ہے اور اپنا سفید جھنڈا بلند کر دیتی ہے تو فاتح ان کی اس استدعا کو منظور
کرنا اپنا اخلاقی فرض سمجھتا ہے اور فورًا توپوں کے منہ بند کر دیئے جاتے ہیں اور نقیب
اور چوبدار اپنی سریلی آواز سے الامان الامان کہکر فوجی آتشباری کو ٹھنڈا کر دیتے
ہیں یہاں ایرانی حرم مقدس میں داخل ہو کر گویا اپنی امان طلبی کی درخواست روسی
فوج کے سامنے پیش کرتے ہیں مگر ان غریب اور بیکسوں کی اس درخواست پر کوئی
توجہ نہیں کی جاتی اور انکو مشین گنوں اور توپوں سے جواب دیا جاتا ہے یہ تمام واقعات ہمکو اس
نتیجہ پر پہنچاتے ہیں کہ حرم مقدس پر گولہ باری جو روسی فوج کی طرف سے کی گئی
اسکی غرض نہ تو ملک میں امن و امان قائم کرنا تھا اور نہ شورش پسندوں کو سزا دینا مقصود
تھا۔ بلکہ اس گولہ باری میں کوئی ایسا مخفی راز تھا کہ جسکی وجہ سے روسی سپاہ نے اس
فعلِ قبیح کا ارتکاب کیا اور تمام مہذب دنیا میں وحشت اور درندگی کا ایسا ثبوت
پیش کیا کہ جسکی وجہ سے ممالکِ اسلامیہ میں دولتِ روس کے خلاف نفرت اور

حفاظت کے ووٹ پاس کئے گئے اور غیر اسلامی ممالک نے بھی روس کی اس ناشائستہ حرکت کو نہایت حیرت اور استعجاب سے دیکھا۔ ہم اس مقام پر اپنے ناظرین کرام کے سامنے اس راز کو فاش کرنا اور روس کے اس مخفی ارادہ کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ جسکی وجہ سے یہ ناشائستہ حرکت دولت روس سے سرزد ہوئی۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ آجکل تمام مہذب ممالک میں یہ قانون بین الاقوام پاس ہو چکا ہے کہ کسی سلطنت کو رعایا کے مذہب میں دخل دینے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے اور ہر شخص اس امر خاص میں آزاد ہے کہ وہ جس مذہب کو چاہے اسکو اختیار کرے سلطنت کی طرف سے کوئی روک ٹوک نہیں کیجائیگی بالخصوص یوروپین قانون داں نہایت شدت سے عامل نظر آتے ہیں اور وہ ہرگز رعایا کے مذہبی امور میں کسی قسم کا بھی دخل دینا نہیں چاہتے ہیں اور اُن کے نزدیک یہی وہ اصول ہے کہ جس سے سلطنت میں استحکام پیدا ہوتا ہے اور رعایا اپنے بادشاہ کی خیر خواہ اور وفادار بنجاتی ہے اس وجہ سے ہم یقیناً اس امر کو کہہ سکتے ہیں کہ روس کا یہ فعل کسی مذہبی تعصب اور عداوت پر مبنی نہ تھا اور نہ اہل یورپ اسقدر تنگ خیال اور متعصب واقع ہوئے ہیں کہ جو محض مذہبی تعصب کی وجہ سے اس وحشیانہ فعل کا ارتکاب اُن سے سرزد ہوتا اور نہ اس فعل سے انکو کوئی مذہبی مفاد حاصل ہو سکتا تھا پس ہمکو اس امر کا اقرار کئے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ ہم روسی حکومت کے اس فعل کو مذہبی تعصب کے لگاؤ سے بالکل علیحدہ خیال کریں۔

اب ہمکو اس مقام پر غور کرنا چاہیے اور اس سبب کو معلوم کرنا چاہیے کہ جسکی وجہ سے سلطنت روسیا سے ایسا وحشیانہ فعل سرزد ہوا حقیقت میں جہاں تک بھی غور کیا جاتا ہے تو ہم اس نتیجہ

پر پہنچتے ہیں کہ دولت روس کی ان وحشیانہ اور بہیمانہ افعال سے صرف دو غرضیں
متعلق ہو سکتی ہیں اور انہیں اغراض کی وجہ سے یہ حادثہ ہائلہ پیش آیا۔

اول یہ کہ چونکہ حرم محترم میں ایک بہت بڑا خزانہ موجود تھا اور نہایت بیش بہا اور
قیمتی جواہرات سے حرم محترم سجا ہوا تھا اور ایرانی حکومت اس وقت ایسی کمزور ہو گئی
تھی کہ جو ہرگز اپنی فوجی قوت سے اس خزانہ اور نیز دیگر بیش قیمت جواہرات اور
سامان آرائش کی حفاظت نہیں کر سکتی تھی۔ اسلئے روسی حکومت اس وحشیانہ فعل پر آمادہ
ہوئی تاکہ خزانہ رضویہ کو غارت کرکے اپنی حرص و طمع کی خواہش کو اس طرح سے پورا کیا
جائے چنانچہ جسوقت حرم محترم پر حکومت روس کا قبضہ ہو گیا تو روضہ مبارک کا خزانہ
و دیگر قیمتی اور بیش بہا جواہرات کو خوب اچھی طرح سے غارت کیا گیا۔

دوسری غرض یہ معلوم ہوتی ہے کہ شیعی نقطہ نظر سے چونکہ یہ مقام ایرانیوں کی نگاہ
میں اسقدر مقدس اور باعظمت سمجھا جاتا ہے کہ ہزاروں اہل ایران دور و دراز مقامات
سے ہزاروں روپیہ صرف کرکے حرم مطہر کی زیارت کے واسطے آتے ہیں اور اس مقام پر ایک
کثیر تعداد زائرین کی جمع ہو جاتی ہے اس لئے سلطنت روس کو یہ خیال پیدا ہوا
ممکن ہے کہ اہل ایران کا یہ اجتماع کسی وقت میں اتفاق و اتحاد کا باعث ہو جائے
اور اس حصہ سے روسی اثرات معرض زوال میں آجا دیں اور مدتوں کی یہ تدابیر جو سلطنت
ایران کو حاصل کرنے کے واسطے اختیار کئے گئے تھے وہ سب بیکار اور بے نتیجہ ثابت
ہوں پس روسی حکومت نے اس خطرہ کو دور کرنیکے واسطے یہ عمل اختیار کیا کہ اصلی عمارت ہی
کو بالکل نیست و نابود کر دیا جائے تاکہ آیندہ کسی قسم کا خطرہ ہی باقی نہ رہے اور باطمینان

تمام ایرانی مقبوضات پر قبضہ کیا جا سکے۔

لیکن ایرانی رعایا کی دانشمندی نے حرم مطہر کو اس خطرۂ عظیم سے بچا لیا اور روسی جنرل کو اس امر کی ہمت نہوئی کہ وہ اپنے ارادہ میں کامیابی حاصل کر سکے اگر اس وقت ایرانی حفاظت خود اختیاری کے قانون پر بھی عمل کرتے اور ایرانی افواج اپنی قوت اور قدرت کے موافق انہیں دیرینہ اور پرانے زنگ آلودہ اسلحہ سے کام لے کر روسی فوج کو مدافعانہ جواب دیتے تو یقیناً حرم مطہر روسی گولہ باری سے بالکل برباد کر دیا جاتا اور روئے زمین پر اس عمارت کا نام و نشان تک بھی باقی نہ رہتا مگر ایرانی رعایا نے اسوقت اپنی انتہائی دانشمندی اور حزم و احتیاط سے کام لیا اور سوائے صبر و سکوت کے اپنے دشمن کو کوئی مدافعانہ جواب نہ دیا یہی وہ عمل تھا کہ جسکی وجہ سے روسی فوج کی یہ ہمت نہوئی کہ وہ حرم مطہر کی عمارت کو بالکل مسمار کر سکے اور آخر کار روسی فوج کی توپوں کی آوازیں خود بخود بند ہو گئیں۔

لیکن ایرانیوں کے اس حزم و احتیاط اور عاقبت اندیشی کے باوجود بھی بڑے گولوں کی تعداد جو حرم مقدس اور مسجد گوہر شاد پر برسائے گئے تھے چار سو سترہ تھی جنمیں نو گولے طلائی دروازے پر جسکو ایوانِ طلا کہتے ہیں۔ پندرہ ۱۵ گولے باورچی خانہ خدام پر اور گیارہ ۱۱ گولے ایوانِ طلائی صحن جدید پر۔ گیارہ گولے بابُ الساعت پر اور اتنے ہی ایوانِ عباسی اور صحن کہنہ کی عمارت پر لگے مشین گنوں کی بے شمار گولیاں اس مقدس عمارت پر آ کر پڑیں جنکا کوئی صحیح اندازہ نہیں لگایا جا سکتا ہے حرم مقدس پر چند روزہ روسی قبضہ کی وجہ سے اور گولہ باری سے جو نقصانات ہوئے ہیں

انکا تخمینہ چوبیس لاکھ چھیالیس ہزار دوسو اکسٹھ تومان کہا گیا ہے اور ایک تومان تین روپیہ انگریزی کی برابر ہوتا ہے اس حساب سے تہتر لاکھ اڑتیس ہزار سات سو تراسی روپیہ کا نقصان اس حادثہ ہائلہ میں ہوا۔ بہرحال اب ہم قونصل جنرل دولت برطانیہ میجر پی ایم سائیکس صاحب سی۔ ایم۔ جی۔ سی۔ آئی۔ ای نے جو کچھ واقعات دیکھکر اور روسی قونصل جنرل سے سنکر قلمبند فرمائے ہیں۔ اسکا ترجمہ جسکو منشی احمد الدین خانصاحب نے اپنی مصنفہ کتاب موسومہ "شیعی دنیا کی شان و شوکت" میں درج فرمایا ہے بعینہ ناظرین کی دلچسپی کے لیے ذیل میں درج کرتے ہیں۔

روسی گورنمنٹ کی کارروائی سے گذشتہ ہفتہ کے اندر مشہد کی سیاسی حالت بکایک بدل گئی۔ پولس کے سپاہی جنسے ہتیار لے لئے گئے تھے انکو قید کردیا اور انکی واجب الادا تنخواہ چکادی گئی۔ وردی اتار لی اور سادہ لباس پہنا کر انہیں چھوڑ دیا ایرانی چیدارمہ پولیس کا افسر خار الوف تھا جو تاتاری نسل کا ایرانی رعیت ہے۔ رکن الدولہ گورنر خراسان مشہد سے طہران چلا گیا۔ جنر الدولہ جدید گورنر طہران سے مشہد روانہ کیا گیا جو اس وقت تک مشہد نہیں آیا تھا۔

روسی رعایا نے اپنے مکانات پر روسی جھنڈے لگا دئے اور ۲۹ فروری کو علمانے فتوی دیا کہ آتشبار اسلحہ کوئی نہ استعمال کرے سب نے اسکی تعمیل کی اسی طرح کا ایک حکم سنہ ۱۸۹۲ء میں تنباکو کے حرام ہونے کا علما دے چکے تھے۔ مسجد گوہر شاد و صحن حرم میں جو شورش پسند موجود تھے وہ منتشر ہو گئے حالت امید افزا معلوم ہونے لگی لیکن بتدریج باغی پھر جمع ہونے شروع ہو گئے۔ ہفتہ کے روز ۳ مارچ کو روسیوں نے شورش پسندوں

کے سرغنہ یوسف خاں کو اطلاع دی کہ اگر وہ لوگ مسجد و صحن حرم سے باہر نکلکر منتشر
نہ ہو جائیں گے تو ان پر گولہ باری کی جائے گی مگر معلوم ہوا کہ اُنھوں نے اس حکم کی
کچھ پرواہ کی اسپر روسیوں نے دوپہر کے بعد شہر کے باہر نئے دروازہ کے سامنے
تقریبًا نصف میل فاصلہ پر چار بڑی بڑی توپوں کی ایک میدانی باٹری قائم کی اور
پائیں خیابان بھی ایک بڑی توپ قائم کی مسجد کے چاروں طرف چار مقامات
پر سکیم توپیں تھیں اور ان میں سے ایک سکیم توپ کاروانسرائے کی چھت پر تھی تاکہ
اسکے گولے صحن حرم کے عین وسط میں گریں پیادہ فوج کا ایک طاقتور دستہ
اس تمام جگہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھا۔ شورش پسندوں کو اطلاع دی گئی کہ اگر وہ
منتشر نہ ہوں گے تو ٹھیک تین بجے گولہ باری شروع کی جائے گی مگر وہ اسپر بھی منتشر
نہ ہوئے یہاں اس قدر کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ معلوم نہیں اس امر کا کیوں کافی
انتظام نہ کیا گیا کہ تمام غیر متعلق اشخاص کو اس امر کی کافی اطلاع کیجاتی کہ وہ ان مقامات
سے باہر نکل جاتے۔

اب گولہ باری کا حال سنئے۔ پونے پانچ بجے بڑی توپوں نے آتشباری شروع کی
اور پہلے تیس منٹ میں بانوے گولے پھینکے۔ پھر روسی مشین گنوں اور پیادہ فوج سے کام
لینے لگے اُس کے بعد بڑی توپوں نے پھر گولہ باری شروع کردی مشین گنیں اور پیادہ فوج
برابر آتشباری کرتی رہیں۔ شروع سے آخر تک تقریبًا دو گھنٹہ آتشباری جاری رہی
جس میں بڑی توپوں سے قریبًا ایکسو پچاس گولہ نئے دروازہ کی طرف سے اور چونتیس
گولے پائیں خیابان سے پھینکے بعض اوقات معلوم ہوتا تھا کہ مشین گنیں ایک منٹ میں

پوری کی پوری پیٹی کارتوسوں کی خالی کر دیتی ہیں جس کے یہ معنی ہیں کہ ہر ایک توپ ایک منٹ میں تین سو پچاس گولیاں چلاتی ہے اور یہ گولے عام طور سے نشانہ پر پڑتے تھے اور میں اپنے مکان کی چھت پر سے گرد و غبار کے عظیم بادل اٹھتے دیکھ رہا تھا۔ شاید ان میں سے اکثر مسجد کے بڑے نیلے گنبد پر پڑے مگر کسی مقبرے کے ٹہری گنبد پر لگے اور بعض ہر دو صحن کے اوپر یا ان کے اندر جا کر پھٹے۔ معلوم ہوتا ہے کہ میناروں کو کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچا۔ مکانات کے نقصانات کا صحیح اندازہ لگانا ہنوز ناممکن ہے۔ مختلف صحنوں اور ایوانوں میں جو لوگ جمع تھے ان کی تعداد چار ہزار بتائی جاتی ہے مگر میرے خیال میں ایک ہزار سے کم ہونگے انھوں نے دیوار کی اوٹ یا موٹی کھڑی دیواروں کے کمروں میں پناہ لی ورنہ نقصان جان بہت زیادہ ہوتا۔

آخری حملہ غروب آفتاب کے بعد جبکہ ابھی روشنی باقی تھی ہوا۔ روسی بالا خیابان اور پائین خیابان اور سنے دروازہ کی طرف سے شہر میں داخل ہوئے۔ عین اس سے پیشتر کاروانسرائے کی چھت پر کی میکسم توپ آگے بڑھائی گئی اور اس سے صحن میں گولہ باری کی گئی فوج کے آگے آگے میکسم توپیں تھیں اور جو لوگ کسی قسم کی حفاظت نہ پاتے تھے ہلاک ہو جاتے تھے بعض کو پیادہ فوج نے نشانہ بندوق بنایا اور بعض کا سنگینوں نے کام تمام کیا اگر فوجی سپاہیوں کے جوش کا خصوصاً پیشقدمی کے وقت خیال کیا جائے تو بندوقوں اور سنگینوں کی یہ کارروائی کچھ تعجب انگیز نہیں معلوم ہوتی۔ اندر کے واقعات کو جن لوگوں نے بچشم خود دیکھا اور جن میں سے مجھے خود گفتگو کرنیکا موقع ملا ان معتبر آدمیوں کی رپورٹوں سے جنھوں نے میری طرح ان حالات کو ان آدمیوں سے سنا کہ جو بدقسمتی

اس وقت اندر تھے یہ ہیں - ایک سکیم توپ اس کمرہ کے پہلو میں لے گئے جو کہ حرم کا کمرہ ہی اور اسپر گولہ باری کی گئی پھر اسی توپ کو ایک اور طرف لیجا کر حرم کی دوسری سمت گولہ باری کی گئی پھر اسی توپ کو حرم کی چھت پر لے گئے وہاں سے صحن اور دوسرے حصوں پر گولے برسائے بعض لوگ جو اسجگہ پناہ گزین تھے اون میں سے اکثر ہلاک ہوگئے پھر روسی چاروں طرف سے حرم میں گھس آئے - کہتے ہیں کہ بعض بعض عورتیں جو حرم کے دوسرے حصہ میں تھیں وہ غسل خانہ کے کنوئیں میں خوف سے کود پڑیں اور بعض کو روسیوں نے دھکیل کر گرا دیا-

قیدیوں سے سلوک - جو لوگ قتل ہونے سے بچ رہے تھے ان سب کو قید کر لیا اور اکثر کے پاس سے نقدی گھڑیاں یا دیگر سامان قیمتی جو اُن کے پاس تھے وہ چھین لے گئے - بعض مجروحین کا علاج روسی سرجنوں نے کیا - اس مجمع میں شورش پسندوں کی ہمراہی میں زائرین فقرا اور عام لوگ شامل تھے - یہ نہ معلوم ہوسکا کہ مفسدوں میں سے بھی کوئی ہلاک ہوا یا نہیں - یوسف خان ہراتی جو مفسدوں کا سرگروہ تھا - زیر حراست لیا گیا ہے - محمد نیشاپوری کی بابت سنا ہے کہ وہ اثنائے گولہ باری میں روسی سپاہیوں کے سامنے سے بچکر نکل گیا باقی تمام شورش پسند اور انکے ہمراہیوں کی بابت یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ غائب ہوگئے - سرغنوں کو بر سر عام پھانسی نہیں دی گئی جیسا کہ بعض دفعہ ایران میں اس قسم کے فساد کے بعد ہوتا ہے - زائرین فقرا اور عوام کو آزاد کر دیا گیا - اور مقتولین اور مجروحین کی صحیح تعداد معلوم کرنا مشکل ہے مگر میرے خیال میں بہت سے ایرانی ہلاک و مجروح ہوئے ہیں - روسیوں میں کوئی ہلاک نہیں ہوا

صرف دو تین آدمی خفیف زخمی ہوئے کیونکہ اندر والوں کی طرف سے کوئی مزاحمت نہیں کیگئی گولہ باری کی تمام کو سامان آرائش او قیمتی اشیاء سے چھکڑے بھر کر روسی لوگ وہاں سے لے گئے مگر یہ اسباب کم وبیش بعدازاں جلد واپس کر دیا گیا۔ چار بڑے بڑے سنہری لٹو جو جواہرات سے مرصع تھے جو ضریح کے چاروں کونوں پر جڑے ہوئے تھے اُن کے ساتھ ہی چار بڑے بڑے سنہری علموں کا بھی جو بعض مذہبی مراسم کے متعلق استعمال کیے جاتے تھے کچھ پتہ نہیں چلتا خزانے کے کئی صندوق جو حرم کی شیشہ دار الماریوں میں تھے اٹھا کرلے گئے۔ مگر پھر واپس لاکر اسی جگہ رکھدئے کسی کو معلوم نہیں کہ بڑا خزانہ کھولا گیا یا نہیں اور اس میں کسقدر نقصان ہوا۔ پچاس دوکانوں کے ایک چھوٹے سے چھنے کے علاوہ حرم کے احاطہ کی تیس دوکانیں لُٹ گئیں۔ ان میں سے اکثر دوکاندار قیمتی فیروزہ اور قیمتی پتھر فروخت کرتے تھے اب زیادہ تر کم قیمت پتھر کے نگینے فروخت کے لئے پیش کئے جارہے ہیں۔

ہفتہ کی شب کو مسجد اور حرم پر قبضہ کر چکنے کے بعد روسیوں نے وہاں سخت پہرہ مقرر کردیا اور حکم دیا کہ کوئی شخص اندر نہ جانے پائے پھر یعنی دوشنبہ کی سہ پہر کو برٹش قونصل جنرل میجر سائیکس صاحب مع اسٹاف کے روسی قونصل جنرل کے ہمراہ مسجد دیکھنے گئے مگر انہیں حرم یا خزانہ میں کوئی نہ لے گیا۔ میجر سائیکس صاحب کے اس موقع پر وہاں جانے کے لئے اکثر ایرانیوں نے اظہار اطمینان کیا۔ اتوار کے دن تمام شہر میں اس مضمون کا نوٹس چسپاں کیا گیا کہ مسجد میں جو شورش پسند جاگزیں تھے وہ سب منتشر کر دئے گئے ہیں اور اب شہر میں امن وامان قایم ہے لوگوں کو چاہیے کہ اپنی دکانیں کھولیں اور حسب معمول اپنے اپنے کاروبار

میں مصروف ہوں اور جن غیر ذمہ دار اشخاص کے پاس آتشبار اسلحہ ہوں وہ انہیں
روسی سفارتخانہ کے حوالے کر دیں یہ بھی سنا ہے کہ روسی اس متبرک مقام کے متولی
باشی کے ساتھ مسجد اور حرم کی واپسی کی حوالگی کے متعلق نامہ و پیام کر رہے ہیں
اور اس سے اس مطلب کی رسید طلب کر رہے ہیں کہ درحقیقت وہاں ہر شے موجود اور درست
ہے انتہیٰ۔

میجر صاحب کی اس مفصل رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء کے اس فتوے پر کہ کوئی شخص
آتشبار اسلحہ کا استعمال نہ کرے تمام ایرانی رعایا نے عمل کیا لیکن دوبارہ کوئی فتویٰ علما کا
ایسا سرزد ہوتا نہیں معلوم ہوتا کہ جس سے آتشبار اسلحہ کے استعمال کی اجازت پائی جاتی
ہو پس کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ یہ خیال قایم کیا جائے کہ حرم مقدس میں جو
لوگ جمع ہوئے تھے وہ کسی شورش یا فتنہ انگیزی کے خیال سے جمع ہوئے تھے بلکہ
اس امر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت یا تو حرم محترم میں یہ مجمع بغرض زیارت
اور دعا جمع ہوا تھا اور امن و امان کے طلب کرنے کی غرض سے اس مقام مقدس میں
ایرانیوں نے اجتماع کیا تھا اور ہرگز انکی غرض کوئی شورش یا فتنہ انگیزی کی نہیں تھی
اور نہ کوئی شخص ان حالات کو اندازہ کرتے ہوئے یہ خیال کر سکتا ہے کہ ایرانیوں کی
نیت اس اجتماع سے کسی شورش یا فتنہ کو برپا کرنا تھا پس ایسی حالت میں صریحی نتیجہ
برآمد ہوتا ہے کہ مشہد مقدس پر گولہ باری اس غرض سے نہیں کی گئی کہ شورش پسند
اس مقام میں جمع ہو گئے تھے اگر صرف یہ غرض اس گولہ باری سے تھی تو آخر زائرین
اور فقرا اور عوام کو کیوں اطلاع اس امر کی نہیں دی گئی کہ وہ اس وقت اس مقام کو خالی

کردیئے تاکہ ہنگامہ ہوں کے خون کا الزام روسی فوج کے ذمہ نہ لگ سکتا اس کے علاوہ جب یہ غرض پوری ہوگئی تو خزانہ روضہ مبارکہ اور نیز دیگر قیمتی اشیاء کے غارت کرنے کی کیا وجہ بتلائی جاسکتی ہے۔ واقعات ہمکو بتلا رہے ہیں کہ محض دوکانیں اور بازار ہی غارت نہیں کیے گئے بلکہ روضہ مبارکہ کے بہت سے تبرکات اور سنہری لٹو اور علم بھی غارت کردیئے گئے اور اسی وجہ سے میجر صاحب موصوف کو روضہ مبارک میں داخل ہونے کا موقع بھی نہیں دیا گیا ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ مسجد کے معائنہ کے واسطے تو میجر صاحب موصوف کو موقع دیا جائے اور خاص روضہ مبارکہ کے اندر کے حالات میجر صاحب موصوف کو نہ دکھلائے جائیں چونکہ تمام قیمتی سامان اور خزائن سب روضہ مبارکہ اور حرم مطہر کے اندر ہی موجود تھے اس لیے بہت ضرورت تھی کہ اس موقع پر میجر صاحب موصوف کو اندر لیجا کر آپکی شہادت اس امر کے متعلق لیجاتی کہ تمام سامان اور خزائن حرم مقدس کے بدستور باقی ہیں اور کسی قسم کا تصرف حرم مطہر کے سامان اور خزائن میں نہیں کیا گیا ہے لیکن عمل درآمد اسکے خلاف کیا گیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ میجر صاحب موصوف کو اس مقام کا معائنہ محض اس لئے نہیں کرایا گیا کہ روس کی حیوانیت اور ناشائستگی کا حال تمام دنیا پر طشت از بام ہوجائے گا۔ بہرحال یہ وہ عظیم واقعہ مشہد مقدس پر گذرا کہ جسنے رسول اللہ کے لخت جگر کو گیارہ سو برس کے بعد بھی قبر میں راحت و آرام سے نہ سونے دیا اور اس مقام مقدس کی عظمت اور احترام کو روسی غداروں نے اس طرح سے مٹانا چاہا کہ آیندہ آنیوالی نسلیں کبھی اسکی حرمت کا پاس و لحاظ نہ کریں مگر کیا خداوند عالم کے ارادہ پر کسی انسان کا ارادہ غالب

آسکتا ہے اور کیا کوئی شخص ان انوار الٰہیہ کے بجھانیکی کوشش میں کامیاب ہو سکتا ہے ۔ روسیوں نے اگرچہ حرم مقدس کی توہین اور تذلیل میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور حرم مطہر میں کتوں تک کو داخل کیا اور سقف حرم پر چڑھ کر مشین گنوں سے شہر پر گولیاں برسائیں اور تمام صحن مبارک کو ایرانی شہیدوں کے خون سے رنگین کیا مگر باوجود ان تمام امور کے کیا روس نے معصوم کی عظمت اور حرم مطہر کے احترام کو مسلمانوں کے دلوں سے کچھ کم کر دیا یا آج روضہ مبارکہ اسی عزت اور عظمت کی نظر سے مسلمانوں میں نہیں دیکھا جاتا ۔ لا واللہ اس ارادہ میں کبھی کوئی شخص کامیاب نہیں ہو سکتا اور نہ خداوند کریم کے مقرب اور برگزیدہ بندونکی عظمت اور وقار کو کبھی کوئی شخص گھٹا سکتا ہے ۔ ابھی تین ہی سال گذرے تھے کہ غریب زائروں اور بیگناہ ایرانیوں کے خون ناحق کے عوض ایک کروڑ بیس لاکھ روسی جنگ عظیم اور فاقہ کشی سے ہلاک ہو گئے اور خود زار روس مع اپنے بیوی بچوں اور خاندان کے قید خانہ کے مصائب بھگت کر ایک شب کو بندوقونکی باڑھ مار کر ہلاک کر دیا گیا اور اس کی عظیم الشان سلطنت جو تمام رقبہ دنیا کے ⅙ حصہ پر پھیلی ہوئی تھی وہ اس طرح نیست و نابود ہو گئی کہ صفحۂ عالم پر اسکا نام و نشان تک باقی نہ رہا حکومت کے اکثر حصہ نکل گئے اور جو کچھ بچا اسپر سویٹ حکومت قائم ہو گئی ۔ زار روس اور اسکی خاندانی سطوت و جبروت کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا ۔ آیات الٰہی کے مٹا دینے والے خود اس طرح مٹجاتے ہیں اور دنیا کے حوادث سے شمع امامت کبھی گل نہیں ہو سکتی ع وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے ۔ اہل دنیا کے لیے صحن عالم میں یہ ایک کھلا معجزہ اور سب سے بڑا ادب آموز

سبق ہے ابھی الحال ہی گذرا تھا کہ نیر الدولہ جو گورنر جنرل خراسان تھا اس نے تقریباً ایک لاکھ تومان چندہ سے جمع کیا اور حرم مطہر کی مرمت کرا کر اپنے نامہ اعمال کو اس عمل خیر سے زینت دی اور آج بھی اسی آب و تاب سے روضہ مبارکہ کے انوار کی چھوٹ عالم کی نگاہوں کو خیرہ کر رہی ہے اور جوق جوق مومنین زائرین دور و دراز مقامات سے سفر اختیار کر کے اس مقام مقدس کی زیارت کا شرف حاصل کرتے ہیں بعض مقامات پر جو اس وقت تک گولیوں کے نشان پائے جاتے ہیں وہ غالبًا اس واقعہ ہائلہ کی یادگار کے طور پر باقی رہ گئے ہیں۔ خداوند عالم جملہ مومنین کو روضہ انور کی زیارت سے مشرف فرمائے آمین ثم آمین۔

موجودہ روضہ رضوی

یہ ہی وہ مقام ہے کہ جس کے بارے میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے ما بین جبل طوس روضۃ من ریاض الجنۃ اور اسی مقام کی زیارت کے لئے دور و دراز سے سفر کی تکالیف برداشت کر کے ہزارہا مومنین مشہد پہنچتے ہیں مذہبی نقطۂ نظر کے علاوہ مشہد مقدس کی سب سے بڑی خوبصورتی اسکا عجیب و غریب محل وقوع ہے چاروں طرف سے عظیم الشان پہاڑ اس وسیع وادی کو گھیرے ہوئے ہیں۔ چونکہ یہ شہر بہت زیادہ پرانا نہیں ہے اس لئے یہاں فن تعمیر کے قدیم نمونے نظر نہیں آتے ہیں۔ مشہد مقدس کی سب سے زیادہ گراں قدر اور عظیم الشان عمارت روضہ رضوی ہے جو وسط شہر میں واقع ہے۔ روضہ منورہ کے تین طرف صحن ہیں مشرق میں صحن جدید شمال میں صحن کہنہ اور جنوب میں صحن مسجد گوہر شاد۔ البتہ مغرب میں شہر کی آبادی اور مختلف

قسم کی دیگر عمارات ہیں ۔ عالیشان سنہری گنبد کے قبہ مبارکہ میں قبر جناب امام علی الرضا علیہ السلام ہے اور اس قبہ مبارکہ کو آئینہ بندی اور طلائی کام سے زیب و زینت دی گئی ہے ۔ طلائی اور رنگ برنگ کی گلکاری نے اس مقدس مقام میں وہ کیفیت پیدا کر دی ہے کہ جس سے دیکھنے والوں کی عقیدت مندانہ نظریں خود بخود اس طرف مائل ہو جاتی ہیں ۔ قبہ مبارکہ کا سنہری اور بلند گنبد اور کاشی کے کام کے سربفلک مینارے دور سے آنے والے زائرین کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں ۔

اور اس مقام مقدس کے دوسرے کمروں کی دیواریں اور چھتیں آئینہ بندی کی وجہ سے شب تار میں اپنی جگمگاہٹ سے تمام حرم مبارک کو روشن و منور کر دیتی ہیں اور کاشی کی رنگ برنگ کی روغنی اینٹیں ایک عجیب سماں پیدا کر دیتی ہیں ۔ بعض مقامات پر کاشی کی پچی کاری کا کام ایسا عجیب و نایاب بنا ہے کہ چشم فلک نے بھی کبھی نہ دیکھا ہو گا ۔ زمین پر سبزی مائل سنگ مرمر کا فرش ہے جسکو اکثر لوگ یشب کہتے ہیں جو ایک ہزار میل کے فاصلہ پر شہر اصفہان میں نکلتا ہے وہاں سے منگا کر لگایا ہے ۔ روضہ مقدس کی اندرونی اور بیرونی تمام دیواروں پر بہترین خوشنویسوں کے لکھے ہوئے کتبے تحریر ہیں ۔ جو عام طور سے آیات قرآنی اور احادیث نبوی اور مدحیہ قصائد و اشعار پر مشتمل ہیں ۔ قبہ مبارکہ کی اندرونی دیواروں پر بہت سے بیش بہا اور قیمتی زیورات جو کہ مختلف قسم کے جواہرات سے مرصع ہیں شیشے کی الماریوں میں رکھے ہوئے ہیں ان کے علاوہ جواہر نگار اور طلائی تاج و کلغی پیٹیاں اور تلواریں اور قیمتی بیش بہا قیمتی وغیرہ دیواروں پر آویزاں ہیں ۔ چھت میں کئی سو طلائی مرصع اور غیر

''نقشہ روضہ رضوی''
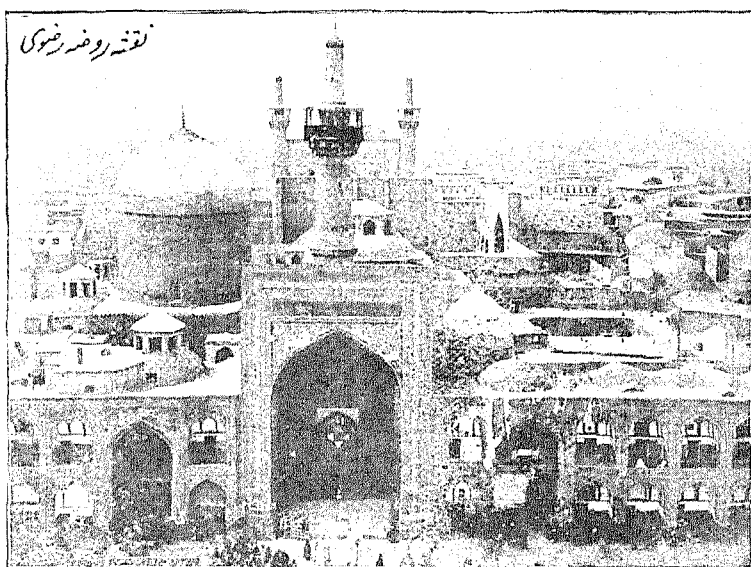
مرصع قنادیل لٹک رہی ہیں جو مختلف اوقات میں لوگوں نے نذر چڑھائے ہیں سینکڑوں
جھاڑ اور ہزاروں فانوس اور دیگر شیشہ آلات زمانہ قدیم کے نہایت قیمتی رنگ برنگ
آویزاں ہیں جن میں شمع مومی و کافوری روشن کیجاتی ہیں حرم مقدس میں برقی
روشنی بھی ہے شب کے وقت جن کی چمک دمک سے آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں اور دیکھنے والے
پر ایک خاص عالم طاری ہو جاتا ہے ۔ حرم مطہر کے جملہ کمروں میں نہایت قیمتی اور بیش
بہا ایرانی قالینوں کا فرش ہے ۔ روضہ مقدسہ کے جانب شمال صحنِ کہنہ ہے جسکے صحن
ایک سنہری مینارہ ہے کہ نادر شاہ افشار نے تعمیر کرایا تھا ۔ اور اس صحن کے وسط میں
ایک حوض نما سنگِ مرمر کی سبیل ہے جسکی چھت طلائی ہے وہ بھی نادر شاہ کی تعمیر کردہ ہے
اور روضہ مطہر کا سنہری گنبد اور ایک سنہری مینارا شاہ طہماسپ صفوی کا بنایا ہوا ہے
روضہ مقدسہ کے صحن کہنہ کی طرف کچھ عمارات شاہ عباس صفوی اور امیر شیر علی
وزیر اعظم سلطان حسین بایقرا کی تعمیر کردہ ہیں ۔ صحن کہنہ کے درمیان میں ہو کر ایک نہر
گذرتی ہے جو امیر علی شاہ کی بنوائی ہوئی ہے ۔ اس کے علاوہ ایک نہر خورد جو بنی ہوئی
ہے آب بشر بہا کی ہے اسکو نیر الدولہ سابق گورنر جنرل خراسان نے تعمیر کرایا تھا جس
کو قنات میرزا کہتے ہیں ۔ صحن کہنہ کا طول ۳۵۸ فٹ اور عرض ۱۸۶ فٹ ہے صحن کہنہ
کے صدر دروازے پر جو پایئن خیابان کی طرف ہے نوبت خانہ ہے ۔ جہاں ہر پنجوقتہ
وقت نوبت بجتی ہے اور اسی دروازہ پر گھڑی بھی لگی ہے جس کی وجہ سے اس
دروازہ کو باب الساعت کہتے ہیں ۔ صحنِ جدید کا طول ۳۱۶ فٹ اور عرض
۱۷۴ فٹ ہے اس صحن کو مرحوم فتح علی شاہ نے اپنے زمانہ میں تعمیر کرایا تھا صحنِ جدید

کے عین وسط میں ایک حوض نماسنگ مرمر کی سبیل ہے جسکی چھت پر طلا کاری ہو رہی
ہے۔ یہ سلطان ناصر الدین شاہ قاچار کی یادگار ہے اسی صحن کے ملحق باورچیخانہ
خدام ہے جہاں چھ سو خدام کا روزانہ کھانا پکتا ہے اور حرم مقدس کے خادموں کو
تقسیم ہوتا ہے۔ صحن جدید میں روضہ منورہ کی عمارت سے ملا ہوا حضرت کا کتبخانہ
ہے جہاں کئی ہزار کتابیں اور کئی قرآن مجید قلمی و مطبوعہ قرینہ سے الماریوں میں رکھے
ہوئے ہیں۔ ان میں سے کئی قرآنوں کی بابت یہ کہا جاتا ہے کہ جناب امیر المومنین
علیہ السلام یا دیگر آئمہ کے لکھے ہوئے ہیں۔ دونوں صحنوں کے گرد جو غرفے بنے ہوئے
ہیں شکوان میں برقی روشنی ہوتی ہے جس سے تمام صحن منور ہو جاتا ہے روضہ
مقدسہ کے دس دروازے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ اول دار السیادۃ دوم دار
الحفاظ۔ سوم دار السارح چہارم توحید خانہ پنجم گنبد علاوردیخان ششم دار الضیافۃ
ہفتم کوکب خانہ ہشتم مسجد بالائے سر۔ نہم ایوان مسجد گوہرشاد دہم تحویل خانہ انہیں
دروازوں کے ذریعہ سے زائرین روضۂ مبارکہ میں داخل ہوتے ہیں۔ قبر مطہر پر تین
ضریحیں لگی ہوئی ہیں اول ضریح نقرئی ہے جو کہ نہایت بیش بہا جواہرات سے مرصع
ہے۔ دوسری ضریح برنجی ہے جس پر چاندی کا پانی پھرا ہوا ہے۔ تیسری ضریح
فولادی ہے پائین قبر ایک نقرئی دروازہ ہے جو کہ ضریح دوم میں لگا ہے اور
نہایت بیش قیمت جواہرات سے مرصع ہے اور جسکو فتح علیشاہ قاچار نے نذر کیا تھا
اسی دروازے کو در لعل کہتے ہیں۔ ضریح مقدس میں اندر جانے کے لئے بھی ایک
دروازہ ہے۔ کلید بردار اور دو اور متبرک خدام دستگاہ آستانہ رضویہ ہر سال

نوروز سے تین یوم قبل ضریح کے اندر داخل ہوتے ہیں اور غبار ضریح جمع کرتے ہیں
صحن کہنہ سے ہر دو جانب بالائے خیابان اور پائین خیابان حرم مقدس کی حد بست
قائم ہے جس کے اندر کوئی غیر مسلم نہیں داخل ہو سکتا اور مسلم اس مقام سے تعظیماً
پیادہ گذرتا ہے۔ بست کے اندر حضرت کا لنگر خانہ ہے جہاں کئی سو زائرین کو خواہ وہ
غریب ہوں یا امیر روزانہ کئی قسم کا کھانا کھلایا جاتا ہے اس سے آگے تھوڑے فاصلہ
پر حضرت کا شفاخانہ ہے جہاں زائرین او دیگر غربا کا مفت علاج کیا جاتا ہے
مریض خانہ میں علاوہ دوا کے غذا اور بستر بھی مفت دیا جاتا ہے اور اس شفاخانہ
کے کل اخراجات حضرت کے خزانہ سے ہوتے ہیں۔

مسجدِ گوہر شاد

حرم کے در قبلہ کی طرف یہ ایک بہت بڑی عظیم الشان مسجد ہے جو مسجد گوہر شاد کے
نام سے موسوم ہے اس مسجد کا ایوان اور گنبد نہایت شاندار اور مینارے نہایت
بلند ہیں۔ گنبد کاشی کی فیروزی رنگ کی اینٹوں سے بنایا گیا ہے اور مسجد بھی
کاشی کے کام کا اعلیٰ نمونہ خیال کی جاتی ہے۔ گوہر شاد خانم آغا زوجہ شاہزادہ میرزا
شاہ رخ ابن امیر تیمور نے نہایت خلوص قلبی سے اس مسجد کو تعمیر کرایا تھا۔ اسی وجہ سے
مومنین اور زائرین ہر وقت یہاں پر عبادت الٰہی میں مصروف رہتے ہیں اور ہمیشہ
ذکر الٰہی ہوتا رہتا ہے ایک وقت میں کئی کئی جگہ جماعت سے نماز ہوتی ہے متعدد علماء
اپنے اپنے شاگردوں کو جدا جدا درس دے رہے ہیں۔ کسی منبر پر کوئی عالم وعظ و پند

فرما رہے ہیں۔ کہیں کوئی ذاکر مصائب بیان کرکے لوگوں کو رولا رہا ہے کسی حصہ
میں طلبا علمی بحث مباحثہ کر رہے ہیں۔ ایک گوشہ میں عورتوں کا مجمع ہے جہاں
مجتہد صاحب طلاق، نکاح ومتعہ وغیرہ کے معاملات فیصل کر رہے ہیں۔ کسی مقام پر کوئی بڑا
مجتہد بیٹھا ہے لوگوں کا ہجوم ہے کوئی استخارہ کرا رہا ہے کوئی مسئلہ دریافت کرتا ہے
مسجد کے اکثر حصوں میں عابد لوگ جدا جدا بیٹھے ہیں اور اپنے اپنے اعمال و وظائف میں
مصروف ہیں۔ کہیں کہیں بعض بیکار لوگ پڑے سو رہے ہیں یا کسی گوشہ میں اہل شب
بیدار کی عبادت الٰہی کرتے کرتے ذرا آنکھ جھپک گئی ہے عبا کا دامن منہ پر رکھ کر خواب
شیریں کے مزے لے رہا ہے جو جنت الفردوس کی راحت کی پہلی قسط ہے۔ پھر ہیچ میں قسم
کی رونق اور چہل پہل اس مسجد میں دیکھی ویسی آجتک کسی دوسری مسجد میں دیکھنے میں
نہیں آئی۔ اس مسجد کے تین طرف بڑے بڑے ایوان اور دالان در دالان عمارت ہے
چوتھی سمت روضۂ مقدسہ کا ایوان مسجد گوہرشاد اور دوسری مختلف عمارات ہیں اس مسجد کا
طول تقریباً ۴۰۰ فٹ اور عرض ۳۵۰ فٹ ہے وسط میں محراب دار دروازوں کی
چہار دیواری ہے جسکو مسجد پیرزن کہتے ہیں اسکے گرد چاروں طرف آٹھ حوض آب
شیریں کے ہیں جنمیں دو نہر قدرتی چشموں کا پانی بذریعہ نل کے آتا ہے جو ہمیشہ صاف
وشفاف رہتا ہے اس مسجد کا جداگانہ ایک معقول وقف ہے جسکا انتظام ایک کمیٹی کی
سپرد ہے جس سے موذن اور فراشوں کو تنخواہ ملتی ہے روشنی وغیرہ سے جو کچھہ
بچ انداز ہوتا ہے اُس سے مسجد کی مرمت کرادی جاتی ہے مرزا شاہ رُخ کا زمانہ ۸۵۰
ہجری میں تھا اور اسی وقت میں اس مسجد کی تعمیر ہوئی تھی۔ اس حساب سے مسجد گوہرشاد کی

تعمیر کو تقریباً چار سو برس ہوئے جو اب بھی بالکل نئی معلوم ہوتی ہے۔

مشہد اور ملک ایران کی دیگر زیارات

ملک ایران ایک نہایت سرسبز اور شاداب خطہ ہے۔ آب و ہوا یہاں کی نہایت لطیف اور پاک و پاکیزہ ہے۔ قدیم زمانہ میں یہ ملک تمدن اور شائستگی میں ضرب المثل تھا۔ یہاں کی تہذیب اور معاشرت ایشیا کے تمام ممالک میں مسلم خیال کی جاتی تھی دنیا کی اعلیٰ تہذیب اور اعلیٰ شائستگی کا سرچشمہ ملک ایران سمجھا جاتا تھا تمام عالم نے تہذیب و شائستگی اسی خطہ سے حاصل کی تھی اور یہی مقام ہر قسم کی خوبیوں کا مرکز قرار پایا تھا جب اس ملک میں اسلامی پھریرا لہرانے لگا اور عمومیت کے ساتھ تمام ملک تابع اسلام ہوگیا اور علوم اسلامیہ اور فنون حکمیہ کا اس ملک میں نشر ہوا تو بڑے بڑے علماء اور فضلا اس خطۂ مبارکہ میں پیدا ہوئے اور یک لخت ہوا کا رخ بدلا اہلبیت رسولؐ و عترت طاہرہ کی عظمت مسلمانوں کی نگاہوں میں دوبارہ قائم ہوئی اور تمام ملک حقیقی اسلام کی دولت سے مالامال ہوگیا۔

اس امر میں تو کسی طرح کا شبہ نہیں کہ بعد وفات جناب سرور کائنات دنیا محمد و آل محمد سے ایسی برگشتہ ہوگئی تھی کہ جو مقامات تمام ذی حیات اور جانداروں کے واسطے بنص قرآن امن و جائے پناہ قرار پائے تھے۔ ان مقامات پر آل محمد اور دوستانِ عترت طاہرہ کو امن و چین نصیب نہ ہوتا تھا اور ہر وقت جان کا خوف اور کھٹکا لگا رہتا تھا اور دشمنان آل محمد یہ چاہتے تھے کہ نسل محمد و آل محمد کو دنیا سے منقطع

کر دیا جائے لیکن چونکہ وعدہ الہی ہو چکا تھا اور خداوند عالم اپنے حبیب کو کثرت اولاد کی خبر دے چکا تھا اس لئے محال تھا کہ دشمنان دین اپنے اس ارادہ میں کامیاب ہو سکتے اور نسل محمدؐ و آل محمدؐ کو دنیا سے مٹا سکتے اسی وجہ سے خداوند عالم نے ایسے اسباب خلق فرمائے کہ جنکی موجودگی میں وعدہ الہی کا ایفا ہو سکے اور دنیا آل محمد کے وجود سے اپنے واسطے ذخیرۂ آخرت جمع کر سکے۔

سادات عظام اور اولاد آئمہ علیہم السلام اور دیگر خواص شیعہ نے اس خطۂ مقدسہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفرازی عطائی فرمائی۔ اور اسی مقام پر سکونت اور بود و باش ان نفوس زکیہ نے اختیار فرمائی تاکہ دشمنان دین کے حملوں سے محفوظ رہ سکیں رفتہ رفتہ یہ ملک سادات اور شیعوں کا ماوی اور جائے پناہ ہو گیا اور کثرت سے اس ارض مقدس میں بزرگان دین اور علماء اور فضلاء کاملین آن کر آباد ہو گئے اور ان حضرات کے مزارات اور قبہ جات سے اس ملک کو خصوصیت خاصہ حاصل ہو گئی۔ صدف نبوت کے ہزاروں بیش بہا انمول موتی اس ارض مقدس کے آغوش میں اب بھی آرام فرما رہے ہیں۔ اس رسالہ میں چونکہ ان سب مقامات اور مزارات کا ذکر باعث طوالت ہو گا اس لئے ہم صرف چند بزرگوں کی زیارات کا ذکر اپنی اس کتاب میں کرتے ہیں تاکہ مومنین موقنین جب زیارت حضرت علی ابن موسیٰ الرضا کے واسطے سفر دور و دراز اختیار کر کے تشریف لے جائیں تو ان خاصان الہی کی زیارت سے بھی مشرف ہو سکیں۔

خواجہ ربیع ابن خثیم

یہ بزرگوار اصحاب جناب امیر المومنین سے تھے اور حضرت امیر المومنین کی خدمت میں بعد

تقرب ان بزرگوار کو حاصل تھا - آپ کی جلالتِ قدر اسی امر سے ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام آپ کی قبر کی زیارت کے واسطے خود بہ نفس نفیس تشریف لائے ہیں اور ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رضا علیہ السلام نے فرمایا الیمجی الی هٰذہ الناحیۃ الاشوق زیارتہ - یعنی حضرت فرماتے ہیں کہ ملک خراسان میں صرف شوقِ زیارتِ ربیع ابن خثیم مجھکو کھینچکر لایا ہے جس وقت کہ شاہ عباس صفوی نے جناب شیخ بہاء الدین عاملی علیہ الرحمۃ سے خواجہ ربیع کے متعلق دریافت کیا تو شیخ علیہ الرحمۃ نے جو عبارت اس سوال کے جواب میں تحریر فرمائی تھی ہم بجنسہ اس عبارت کو ذیل میں درج کرتے ہیں -

بعرض میرساند خواجہ ربیع علیہ الرحمۃ از اصحاب امیر المومنین و بسیار مقرب آنحضرت بود و در کشتن عثمان نیز دخلے داشت - در وقتیکہ لشکر اسلام بخراسان بجہاد کفار آمدہ بود ہمراہ بودہ است و در آنجا فوت شدہ و از حضرت امام رضا منقول ہست کہ فرمودہ مارا از آمدن بخراسان فائدہ نرسیدہ بغیر از زیارت خواجہ ربیع انتہیٰ -

آپ نے علم حدیث کو حضرت ابن مسعود اور ابو ایوب انصاری علیہما الرحمۃ سے حاصل کیا تھا - کتاب مجمع البیان میں آپکے اقوال آیاتِ الٰہی کی تفسیر میں نقل کئے گئے ہیں خواجہ حمد اللہ مستوفی نے بیان کیا ہے کہ حضرت ربیع ابن خثیم امیر المومنین علی ابن ابیطالب کی جانب سے والیِ قزوین مقرر ہوئے تھے -

ابن اعثم کوفی نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے کہ ربیع ابن خثیم و اسبین سردارے است کہ بارُودے مبارک امیر المومنین علیہ السلام در پیوست و ربیع در زمرہ ملی بود آنحضرت انتظار

اور امی کشید ہمینکہ با چہار ہزار سوار آراستہ ملک رے وارد شد موکب مقدس بسمت
صفین در حرکت آمد۔

علامہ غزالی نے آپکے زہد و ورع کے متعلق اپنی مشہور کتاب احیاء العلوم میں ذیل کے الفاظ
کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ربیع ابن خثیم در خانہ گورے کندہ بود۔
ہرگاہ کہ در خاطر خویش قساوتے احساس کردے داخل آن گور شدے و بخفتے
و بگفتے رب ارجعون لعلی اعمل صالحا فیما ترکت آنگاہ با خود خطاب کردے کہ یا ربیع
قد ارجعناک فاعمل آپ کی عبادت کے متعلق شیخ ابو القاسم قشیری نے نقل فرمایا ہے
کہ چون خواجہ ربیع مردہ بود دختر ہمسایہ او با پدر گفت کہ بر پشت بام ہمسایہ ہر شب
ستونے می دیدم مدتے است بنظر نمی رسد آن مرد گفت اے دختر کہ ستون کجا مرد صالح بود
در جوار ما کہ ہر شب از برائے عبادت بر سطح بام می قیام داشت و او در گذشت رحمۃ اللہ
علیہ انتہی بقدر الحاجۃ۔ ان مورخین کی عبارات اور روایات سے خواجہ ربیع ابن
خثیم کی جلالت قدر اور آپ کا زہد و عبادت الہی کا حال اچھی طرح معلوم ہوتا ہے
اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ہر امر میں قدم بقدم جناب امیر المومنین علیہ السلام کے
تھے اور امیر المومنین کے اصحاب خاص اور ناصرین میں آپکا شمار تھا۔ اکلیل المنہج کی
روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ۶۳ھ ہجری میں آپ کی وفات واقع ہوئی لیکن مختصر فہمی میں
منقول ہے کہ سنہ ہجری میں آپنے اس دار فانی سے رحلت فرمائی آپ کا مزار مبارک
مشہد مقدس سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر جانب جنوب واقع ہے۔

خواجہ ابوصلت ہروی

یہ بزرگوار حضرت امام رضا علیہ السلام کے خادم خاص تھے اور کتاب عیون اور امالی میں کثرت سے آپ کی سند سے روایات نقل کی گئی ہیں آپ کی جلالت قدر اور شیعیت میں کسی قسم کا شک وشبہہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ علامہ کشی نے ابن نعیم اور احمد ابن سعید رازی سے روایت کیا ہے کہ خواجہ ابوصلت کے متعلق علمائے عامہ کا یہ عقیدہ تھا کہ انّہٗ ثقۃ مامون علی الحدیث ولکنہ شیعی المذہب محب لآل الرسول صاحب میزان الاعتدال نے فرمایا ہے عبدالسلام ابن صالح ابوصلت رجل صالح الّا انہ شیعی اور علامہ ابن الجوزی نے آپ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے انہ خادم الرّضا شیعی مع صلاحہ بہرحال آپ کے شیعہ اور جلیل القدر ہونے میں کسی طرح کا شک نہیں ہے آپ کا مزار مبارک مشہد مقدس سے جانب جنوب متصل خواجہ ربیع علیہ الرحمۃ واقع ہے اور مومنین اسی ایک مقام پر ان دونوں بزرگواروں کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں

شیخ طبرسی

آپ کا اسم مبارک امین الدین ابوعلی فضل ابن حسن ابن فضل ہے۔ فقہ۔ حدیث تفسیر عربیت اور علم لغت میں آپ وحید زمان تھے فقہائے محقق رضاع اور کتاب الارث میں آپ کے مخصوص فتاوی کو نقل فرمایا ہے۔ تفسیر مجمع البیان آپ ہی کی تالیفات

سے ہے کہ ایک مسلم اور مستند تفسیر مذہب شیعہ میں سمجھی جاتی ہے۔ آپ علامہ جار اللہ زمخشری صاحب تفسیر کشاف کے ہمعصر تھے۔ آپنے جوامع الجامع ایک دوسری تفسیر قرآن مجید کی تالیف فرمائی تھی۔ آپکے اوصاف میں سید مصطفیٰ ذیل کے الفاظ سے رطب اللسان ہوئے ہیں ثقۃ فاضل دین من اجلاء ھٰذہ الطائفۃ آپ کی وفات ۵۴۸ھ ہجری مقام سبزوار میں واقع ہوئی اور آپ کا تابوت مشہد رضوی میں لاکر دفن کیا گیا جناب قاضی نور اللہ شوستری شہید ثالث فرماتے ہیں۔ قبر شریفش در موضعی است کہ حضرت امام رضا علیہ السلام را غسل دادہ اند آں مکان الحال تغسلگاہ معروفست و ایں فقیر بشرف زیارت او رسیدہ۔

شیخ بہاء الدین عاملی

زمانہ شاہ عباس صفوی میں آپ مذہب شیعہ کے ایک زبردست عالم گذرے ہیں موافق تحریر سید علی خاں۔ صاحب سلافۃ العصر آپ کی ولادت باسعادت وقت غروب آفتاب بروز چہارشنبہ سترہ ذالحجہ ۹۵۳ھ ہجری کو شہر بعلبک میں واقع ہوئی۔ آپکے والد بزرگوار کا اسم مبارک حسین ابن عبدالصمد الحارثی الہمدانی تھا۔ آپ علم فقہ اور اصول حدیث و تفسیر علم معانی و حکمت و ریاضی میں مہارت کامل رکھتے تھے سلاطین صفویہ کے زمانہ میں آپ شیخ الاسلامی کے عہدے پر قائز ہوئے چونکہ فقر اور سیاحت کی طرف آپکا میلان تھا اس لئے آپ بعد حج الاسلام مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور وہاں سے تیس سال آپنے مصر و عراق و شام کی سیاحت فرمائی آپ کی

تصانیف بہت کثرت سے ہیں - عروۃ الوثقیٰ، صراط مستقیم، عین الحیوۃ، حبل المتین، مشرق الشمسین، شرح الاربعین، مفتاح الفلاح، زبدۃ الاصول، تہذیب النحو، ملخص الہیئت، خلاصۃ الحساب، تشریح الافلاک، درایۃ الحدیث، رسالہ ہلالیہ - اثنا عشریات خمس، رسالہ اصطرلابیہ، حواشی کشاف - حواشی بیضاوی - حاشیہ خلاصۃ الحساب، حاشیہ مطوّل فوائد الصمدیہ فی علم العربیہ، حاشیۃ الفقیہ - مخلات کشکول، جامع عباسی وغیرہ آپ ہی کے نتائج افکار سے ہیں آپ نے ۱۲ شوال ۱۰۳۱ھ ہجری بمقام اصفہان رحلت فرمائی اور وہاں سے آپکا تابوت مشہد مقدس میں آیا اور آپ اپنے سکونتی مکان میں متصل حرم اقدس دفن کئے گئے اور اسی مقام پر آپ کے بھائی شیخ عبد الصمد جو کہ ایک فاضل کامل تھے مدفون ہیں -

مولانا سید محمد المعروف بالقصیر

آپ خاندان رسالت کے ایک گوہر شب چراغ ہیں اور آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام رضا علیہ السلام سے ملتا ہے مشہد مقدس کے مجتہدین عظام میں آپ کا شمار تھا اور ریاست عامہ اور فقاہت کاملہ میں آپ کو شہرت تامہ حاصل تھی آپ صاحب تصانیف کثیرہ تھے - کتاب مصابیح اور کتاب اعلام الوریٰ اور ایک شرح لمعہ دمشقیہ کی کتاب خمس و اجارہ قضاء و شہادت و بحث لباس مصلی پر آپ کی یادگار ہیں - علم رجال میں بھی آپکی ایک مسلم کتاب ہے ۱۲۵۵ھ ہجری بمقام قم میں آپ نے وفات پائی اور مابین مسجدین پشت سر و بالائے سر مبارک مشہد رضوی میں آپ دفن کئے گئے ان حضرات کے

کو ملک طوس میں زیادہ عرصہ گذر گیا اور کچھ خبر حضرت کو مدینہ میں معلوم نہ ہوئی تو حضرت معصومہ نے اپنے وطن مالوف سے بھائی کی محبت میں سفر زیارت اختیار کیا جب جناب معصومہ شہر قم میں وارد ہوئیں تو حاکم شہر نے نہایت عزت اور احترام کے ساتھ آپ کا استقبال کیا اور اس مقام پر آپ کے نزول اجلال کو باعث فلاح دارین سمجھا حاکم کی عرض و معروض سے آپ اس خطہ مبارکہ میں فروکش ہوئیں اور ہر قسم کی خدمات مہمانداری حاکم وقت کی طرف سے کی گئیں۔ جناب معصومہ نے ایک نیا اور جدید امر اس مقام میں یہ ملاحظہ فرمایا کہ شہر کے تمام مرد و زن کسی عظیم الشان ہستی کے ماتم میں سیاہ پوش ہیں اور مجالس ماتم شہر کے ہر ہر گھر میں ہوتی ہیں اور گریہ و زاری کی آوازیں شہر کے گلی کوچوں سے بلند ہو کر ایک درد رکھنے والے دل کو بے چین کرتی ہیں۔ ان دل ہلا دینے والے واقعات کو ملاحظہ فرما کر جناب معصومہ نے قم کے باشندوں سے آپنے حق کی قسم دلا کر دریافت فرمایا کہ آخر اس ماتم اور عزاداری کا کیا سبب ہے حاکم شہر نے مجبوراً حضرت امام رضا علیہ السلام کی شہادت کی خبر کو بیان کیا اس خبر وحشت اثر کو سماعت فرما کر معصومہ کے قلب نازک پر وہ صدمہ گذرا کہ تیسرے دن اس دنیا سے انتقال فرمایا اور اسی شہر میں آپ دفن کی گئیں۔ جناب معصومہ کا اسم مبارک فاطمہ کبریٰ ہے لیکن اس شہر میں مدفون ہونے کی وجہ سے آپ معصومہ قم کہلاتی ہیں۔ آپ کا مزار مبارک ایک شاندار اور خوبصورت عمارت کے اندر واقع ہے جو کہ کاشی کی منقش اینٹوں سے تعمیر کیا گیا ہے روضۂ مبارک کا گنبد اور مینارے اور ایوان مثل دیگر مقامات متبرک کے طلائی

ہیں جو کہ زائرین کے قلوب کو اپنی طرف جذب کرتے ہیں۔ شاہ عباس صفوی اور فتح علی شاہ قاچاریہ کی قبر بھی اسی روضہ مبارکہ کے اندر واقع ہیں حرم مطہر کے دو صحن ہیں ایک صحن قدیم دوسرے کو صحن جدید کہتے ہیں روضہ مبارکہ کے جانب شرق ایک بہت بڑا وسیع قبرستان ہے جسمیں چار سو چالیس بزرگان دین اور اولاد فاطمہ دفن کئے گئے ہیں جن کو بنی عباس کے جابر بادشاہوں نے بظلم قتل کرایا تھا۔

پھر یہ شہر طہران سے قریب ڈیڑھ سو میل کے فاصلہ پر ایک برساتی ندی کے کنارے واقع ہے مشہد سے قم کا راستہ طہران ہو کر جاتا ہے۔ طہران سے جو سڑک قم کو جاتی ہے وہ معمولی حالت میں ہے اور بذریعہ کالسکہ یا دورشکہ طہران سے قم تک چار یوم کا راستہ ہے لیکن موٹر کے ذریعہ سے چند گھنٹوں میں یہ راہ طے ہو سکتی ہے۔

اوقاف آستانۂ رضویہ

یوں تو قدرت نے ہر انسان میں ایسے اعلیٰ اوصاف کو خلق فرمایا ہے کہ جسکی وجہ سے انسان کا شمار اشرف المخلوقات کے طبقہ میں کیا جاتا ہے اور یہی اوصاف حسنہ انسان کے لئے باعث فخر و مباہات ہوتے ہیں۔ اعلیٰ اوصاف اور شریف ترین خصائل ہی انسانکو واسطے دیگر حیوانات پر فوقیت ثابت کرتے ہیں اور یہ ہی بیش بہا جواہرات انسان کا سرمایہ ناز ہو سکتے ہیں۔ حیوان اور انسان میں جو کچھ امتیاز اور افتراق ثابت ہو سکتا ہے وہ انہیں اعلیٰ اوصاف اور شریف خصائل کے ذریعہ سے ثابت ہو سکتا ہے

ورنہ نفسانی خواہشات اور جذبات میں انسان اور حیوان دونوں مساوی درجہ رکھتے ہیں۔ رنج وغم کے جذبات۔ عیش ومسرت کے جذبات شہوانی قوتیں حیوانی طاقتیں یہ سب ایک ہی حیثیت سے انسان اور حیوان دونوں میں موجود ہوتی ہیں۔ بلکہ اگر اس مسئلہ پر زیادہ گہری اور عمیق نظر ڈالی جائے تو یہ ثابت ہونا بالکل دشوار نہ ہوگا کہ دیگر حیوانات میں بہ نسبت انسان کے جذبات شہوانی و حسیات حیوانی زائد ہوتے ہیں۔ پس جو کچھ بھی شرف او رفضائل انسان کو حاصل ہوسکتے ہیں وہ محض اور بہت کچھ انہیں خصائل اور اخلاق فاضلہ کے ذریعہ سے ہوسکتے ہیں۔ اور جن اوصاف میں دوسری ذی حیات اور جاندار مخلوق کو کسی قسم کا حصہ نہیں دیا گیا ہے دیانتداری۔ راستبازی خوش خلقی۔ حلم و انکسار سخاوت و فیاضی یہ سب فی نفسہ ایسے اوصاف ہیں کہ وہ انسان کے لئے طرۂ امتیاز ہوتے ہیں اور انہیں صفات کی وجہ سے انسان کو دیگر مخلوقات سے شرف اور فضیلت کے حاصل کرنیکا موقعہ ملتا ہے۔ حقیقت میں یہ صفات نوع انسانی کے واسطے ایسی اہم اور ضروری صفات ہیں کہ جب تک یہ صفات انسان میں متحقق نہوں اوسوقت تک انسان ایک انسان کامل کہلانے کا مستحق نہیں ہوسکتا ہے انسان اپنی ضروریات زندگی کے تمام شعبوں میں اسوقت داخل ہوسکتا ہے کہ جب اسکی ذات تمام صفات حسنہ سے متصف ہو کیونکہ انسان کو اپنی راحت اور آرام حاصل کرنے کے واسطے جس طرح کہ عالم جسمانی میں ضرورت ہے کہ وہ اس دنیا میں خوش خلقی، راستبازی، امانتداری اور ہمدردی کی صفت سے متصف ہو

تاکہ اس کے تمام امور دنیا میں حسن وخوبی کے ساتھ انجام پاسکیں اسی طرح انسان کو ضرورت ہے کہ وہ عالم روحانی کے واسطے بھی ایسے اسباب اور سامان کو مہیا کرے کہ جسکی وجہ سے اسکا نفس اس عالم میں بھی ابدی نجات اور اخروی راحت وآرام کو حاصل کر سکے۔ بیشک دنیا عالم اسباب ہے اور جس قسم کے اسباب یہاں پیدا کیے جاتے ہیں اسی قسم کے ثمرات انسانکو دونوں عالم میں مل سکتے ہیں۔ اگر برے اوصاف وعادات یہاں حاصل کیے جاویں گے تو دنیا میں بھی تکلیف اور مصائب کا سامنا ہوگا اور آخرت میں بھی انسان دائمی عذاب میں مبتلا رہیگا اور اگر یہاں نیک خصائل اور اعلیٰ شمائل سے انسانکی ذات متصف ہوجائے گی تو عالم ظاہری میں بھی اچھے نتایج اور ثمرات حاصل ہوسکتے ہیں اور عالم روحانی میں بھی راحت سرمدی اور نجات ابدی کی نعمت سے انسان بہرہ اندوز ہوسکتا ہے اسیوجہ سے فرمایا جناب سالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے الدنیا مزرعۃ الاخرۃ یعنی دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور جس قسم کی تخمریزی دنیا میں کیجاتی ہے اسی قسم کے ثمرات انسان کو آخرت میں حاصل ہوا کرتے ہیں۔ پس اگر دنیا میں اعلیٰ خصائل اور شریف اخلاق اختیار کیے گئے تو اُسکے نتایج وثمرات بھی اعلیٰ قسم کے اس روحانی عالم میں حاصل ہوجائینگے اور اگر بد عادات اور برے خصائل انسانی نفوس میں قایم ہوگئے تو نہ انسان اس عالم میں راحت وآرام اٹھا سکتا ہے اور نہ عالم آخرت میں روحانی نعمتوں سے کبھی متمتع ہوسکتا ہے گویا انسان اس وقت خسر الدنیا والاخرۃ کا مصداق ہوجاتا ہے اور ہمیشہ یہ ہی حسرت وارمان اسکے دل میں رہتا ہے کہ آخر زندگی میں کیوں اپنی نفس کو اوصاف

حسنہ سے آراستہ و پیراستہ نہ کیا ان ہی وجوہ سے ہر دانشمند اور ذی عقل انسان
اپنے نفس کو صفات حسنہ سے آراستہ کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنی قابلیت اور
استعداد کے موافق اس ارادہ میں انسان کو کامیابی بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ تاریخ
میں ابتدائے عالم سے آج تک مختلف اوصاف کے انسانوں کا پتہ ملتا ہے اور جیسی
استعداد اور قابلیت انسان میں ہوتی ہے اسی حیثیت کے اوصاف اس کی ذات
میں متحقق ہو جاتے ہیں۔ بعض صدق و راستی کی صفت سے اپنے نفوس کو ایسا متصف
کر لیتے ہیں کہ ہر مصیبت و آلام میں مبتلا ہونا ان کے لئے سہل ہوتا ہے۔ مگر اس وصف
حسن کو ان کے نفوس کسی وقت میں بھی ترک کرنا گوارا نہیں کرتے۔ بعض کے نفوس
عالیہ میں خوش خلقی اور دیانت داری ایسی جاگزیں ہو جاتی ہے کہ مرتے دم تک
یہ صفت ان کی ذات سے علیحدہ نہیں ہوتی بعض طبائع میں قدرت کی طرف سے
سخاوت و فیاضی کا مادہ ایسا کوٹ کوٹ کر بھر دیا جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ اس صفت
کو اپنی ذات کے واسطے فخر و مباہات کا باعث خیال کرتے ہیں اور یہ ہی صفت
ان کی ذات کے لئے سرمایۂ نازش قرار پاتی ہے ہر زمانہ اور ہر ملک میں یہ مختلف
صفات مختلف انسانوں میں نظر آتی ہیں اور دنیا کے ہر حصہ میں ایسے نفوس کا پتہ ملتا ہے
کہ جو اپنے زمانہ میں اعلیٰ و شریف ترین خصائل کے ساتھ متصف تھے حقیقت میں ایک
انسان کو دوسرے انسان پر فضائل حاصل کرنے کا موقع بھی انہیں صفات کے ذریعہ سے
ملتا ہے اور انسان اپنی اخلاق فاضلہ اور اوصاف کاملہ کی وجہ سے انسان کہلائے جانیکا
مستحق قرار پاتا ہے۔ اور چونکہ قدرت نے انسان میں ایسے مواد خلق فرما دیئے ہیں کہ جنکی

وجہ سے یہ عقل و دانش کا پتلا۔ اوصاف فاضلہ اور اخلاق حمیدہ سے اپنے نفس کو
آراستہ پیراستہ کر سکتا ہے اور انہیں اوصاف کی وجہ سے انسان دائمی راحت اور حقیقی
آرام سے ہم آغوش ہو سکتا ہے اور ترقی کے اس زینہ پر پہنچ سکتا ہے کہ جسکا تصور کرنا
عقل بشری کا کام نہیں۔ اسی لیے اسلام جو کہ سرچشمہ اخلاق فاضلہ ہے اسی قسم کی ہدایات
سے مالا مال نظر آتا ہے اور اسی وجہ سے بانی اسلام صلوات اللہ علیہ نے اپنی امت کو
اخلاق الٰہیہ کے حاصل کرنے کی ترغیب و تحریص دلائی ہے اگرچہ اوصاف الٰہیہ کا بعینہ
اسی حیثیت سے نفس انسانی میں جاگزیں ہونا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اسمیں کسی طرح کا
شک و شبہہ نہیں کہ ان اوصاف کا عکس آئینہ قلب انسانی میں ضرور منعکس ہو سکتا ہے اور
نفوس عالیہ انسانی میں اوصاف و اخلاق الٰہیہ کا جمال ضرور نظر آ سکتا ہے۔
صدق و راستی۔ حلم و انکسار۔ دیانت و خوش خلقی یہ سب ایسی ہی اوصاف ہیں کہ جنکی وجہ
سے انسانکو دائمی خوشی اور مسرت حاصل ہو سکتی ہے مگر یہ اوصاف اسی وقت تک قائم
رہ سکتے ہیں کہ جبتک انسان دنیا میں بقید حیات موجود رہتا ہے مرنے کے بعد نہ صدق
و راستی پر عمل ہو سکتا ہے اور نہ حلم و انکسار اور خوش خلقی کا برتاؤ کسی شخص کے ساتھ کیا
جا سکتا ہے۔ ہاں سخاوت اور فیاضی ایک ایسا وصف ہے کہ اگر اسپر عمل کیا جائے
تو مرنے کے بعد آئندہ آنے والے زمانے میں بھی امور خیر جاری رہ سکتے ہیں اسی
وجہ سے احادیث معصومین میں جود و سخا کے فضائل اور مناقب بے حد و حساب نظر
آتے ہیں ایک حدیث میں تو امام رضا علیہ السلام نے یہاں تک فرمایا ہے کہ السخا
شجرۃ من الجنۃ من تعلق بغصن من اغصانہا دخل الجنۃ یعنی سخاوت

شجرہ ہائے جنت میں سے ایک شجر ہے اور جو شخص اس شجر کی کسی شاخ سے متعلق ہو جائیگا تو وہ ضرور داخل جنت ہوگا اور قرآن مجید میں خداوند عالم نے صاف صاف الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے کہ لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون یعنی لوگو جب تک تم اپنی محبوب چیز میں سے کچھ راہ خدا میں خرچ نہ کرو گے ہرگز نیکی کے درجہ پر فائز نہیں ہو سکتے اور یہ ظاہر ہے کہ دنیا میں مال و دولت ایسی محبوب شے ہے کہ جسکی طرف ہر شخص مائل ہوتا ہے اور یہ ایک فطرتی امر ہے کہ جس طرح ایک جوان اور بوڑھا اس دولت کو محبوب رکھتا ہے اسی طرح بچہ بھی اسکی طرف مائل ہوتا ہے عالم میں ایک فرد بھی ایسی نہیں ملتی ہے کہ جو قدرتی طور سے دولت و مال دنیا کی خواہش مند نہ ہو گروہ انبیا و اوصیا اور اصحاب مذاہب اس دولت کو اس لئے چاہتے ہیں کہ اس کے ذریعہ سے مذہب حقہ کی اشاعت میں اچھی طرح سے جد و جہد کر سکیں اور اسکو صحیح اور نیک مصرف میں خرچ کرکے دنیا اور آخرت کی خوبیاں اپنی ذات کے واسطے حاصل کر سکیں اہل دنیا اور صاحبان ہوا و ہوس دولت کی اسوجہ سے خواہش رکھتے ہیں تاکہ وہ اسکے ذریعہ اور وسیلہ سے اپنی خواہشات نفسانی کو پورا کر سکیں اور اس نعمت کی وجہ سے حظوظ نفسانی سے بہرہ اندوز ہو سکیں بہرحال اسکی خواہش ہر دل میں ہوتی ہے اور کوئی قلب بھی ایسا نہیں دکھائی دیتا کہ جو اسکے دام میں پھنسا ہوا نظر نہ آئے اور دولت دنیا پر فریفتہ نہ دکھائی دے البتہ اغراض و مقاصد ہر طبقہ اور گروہ کے جدا جدا ہوتے ہیں پس ایسی محبوب شے کو راہ خدا میں صرف کرنا یہ ایک ایسا عمل ہے کہ جسکی وجہ سے انسان نیکی کے درجہ پر فائز

ہوسکتا ہے اور بلا اس عمل خیر کے نیکی حاصل کرنا انسان کے واسطے نہایت دشوار ہے
فی نفسہ دولت ایک امانت الٰہی ہوتی ہے اور خداوند عالم جسکو اس امانت کا اہل
سمجھتا ہے اسکو یہ امانت سپرد فرما دیتا ہے۔ پس اگر اس عطیہ الٰہی کو صحیح اور جائز مصرف
میں صرف کیا گیا تو ہر طرح کی راحت اور دائمی آرام انسان کو حاصل ہوسکتا ہے
اور اگر اس میں بے احتیاطی اور خیانت کے ساتھ عمل درآمد کیا اور اسکو اسکے صحیح مصرف میں
انفاق نہ کیا تو یہی دولت ہمیشہ کے واسطے وبال جان ہوجاتی ہے اور ایسے شخص
کو نہ دنیا میں آرام وچین نصیب ہوسکتا ہے اور نہ آخرت ہی میں ایسا شخص کچھ حصہ
پاسکتا ہے پس ہر مالدار اور دولت مند کو چاہیے کہ وہ وانفقوا مما رزقناکم
من قبل ان یاتی احدکم الموت کے حکم پر اپنی دولت کے خرچ کرنے کا دستور العمل
بنائے تاکہ دنیا اور آخرت دونوں میں حقیقی راحت و آرام حاصل ہوسکے۔ فی
الحقیقت دولت ایک ایسی چیز ہے کہ جسکی موجودگی میں انسان کے اندر ضرور خواہشات
نفسانی پیدا ہوتے ہیں اور قوارہائی جو اعتدال سے بڑھ کر خواہشات نفسانی کے
شعلوں کو بھڑکا دیتے ہیں اور انسان اسوقت بالخاصہ حیوانی خواہشات کے پورا کرنے کی
طرف مائل ہوجاتا ہے۔ عمدہ غذا۔ اعلیٰ لباس عیش وعشرت اور نفس پروری کے
تمام سامان مہیا کرنا انسان اپنے واسطے ضروری خیال کرتا ہے اور ایسے لوگ دنیا
میں بہت کم پائے جاتے ہیں کہ جنھوں نے دولت کو اپنے واسطے زاد آخرت سمجھا ہو معمولی
انسانوں کا تو ذکر نہیں اہل علم کا طبقہ بھی اس کے دام محبت میں ایسا فریفتہ نظر آتا ہے
کہ وہ بھی اپنی راحت و آرام کی خاطر اسکو خرچ کر ڈالنا آسان وسہل خیال کرتا ہے لیکن

محض رضائے الٰہی کے واسطے اسکو خرچ کرنا ایک نہایت ہی مشکل و دشوار معلوم ہوتا
ہے ہاں اس کارِ خیر میں زیادہ تر وہی لوگ حصہ لیتے ہیں کہ جن کے شاملِ حال
توفیقاتِ الٰہیہ ہوتی ہیں اور جن کے پیش نظر بزرگانِ دین اور آئمہ معصومین کے
اعمال و اقوال ہوتے ہیں اور وہ خدا و رسول اور اولوالامر کی اطاعت و فرماں برداری
میں ایسے راسخ ہوتے ہیں کہ خلاف منشاء الٰہی ایک قدم اٹھانا بھی گوارا نہیں کرتے وہ
البتہ اس راہ میں پیش پیش نظر آتے ہیں اور دولت ایسے محبوب شے کو بھی وہ لوگ راہ
خدا میں صرف کر ڈالتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو تمام نیکیوں کو حاصل کر سکتے ہیں اور
قوم کے لیے سچے ہادی اور رفارمر بن سکتے ہیں فرقہ شیعہ جو اہل بیت رسول کی اطاعت
کو اپنا فرض عین سمجھتا ہے آج بھی اس راہ میں سب سے مقدم معلوم ہوتا ہے اور یہ فرقہ
تمام فرقہ ہائے اسلامی میں امور خیر کی طرف زیادہ متوجہ نظر آتا ہے کون نہیں جانتا کہ بعد
شاہ سرورِ کائنات دنیا نے کبھی اس فرقہ حقہ سے رفاقت نہیں کی اور اس غدار نے
ہمیشہ مذہب شیعہ کے خلاف اپنا علم بغاوت بلند رکھا اور برابر قتل و غارت اس فرقہ
حقہ کی اہل دنیا کے ہاتھوں ہوتی رہی۔ جان و آبرو۔ دولت و حکومت یہ سب چیزیں
معرض زوال میں رہیں اور مثل دیگر اقوام کے کبھی اور کسی زمانہ میں مذہبی آزادی اس
گروہ کو نصیب نہیں ہوئی لیکن باوجود ان سب باتوں کے آج بھی مذہب شیعہ امور
خیر میں سب سے پیش پیش ہے سطحی نظر رکھنے والے کچھ ہی اسباب اسکے بیان کریں لیکن
جن لوگوں نے تاریخ کی ورق گردانی کی ہو اور گہری اور عمیق نظر تاریخ پر ڈالی ہے
وہ ضرور اس نتیجہ پر پہنچینگے کہ یہ جوہر صرف اس لئے اس گروہ میں تاباں اور درخشاں

دکھلائی دیتا ہے کہ جن بزرگانِ دین اور آئمہ معصومین کی پیروی کا اس فرقہ حقہ کو شرف حاصل ہے انکی خاص صفات میں یہ امر داخل تھا کہ وہ اپنی خواہشوں اور ضرورت پر دوسرے لوگوں کی ضرورت کو مقدم رکھتے تھے اور یہ مادہ قدرت نے اُن کے نفوس عالیہ میں ایسا ودیعت فرمایا تھا کہ وہ ایثار اور فیاضی کا ایک سچا مجسمہ بن گئے تھے ویوثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصہ کے اصلی اور حقیقی مصداق وہی حضرات قرار پائے تھے یہی وہ اسباب ہیں کہ جنکی وجہ سے یہ فرقہ امور خیر میں سب سے زیادہ پیش پیش اور مقدم معلوم ہوتا ہے۔ ملک ایران اور خصوصاً مشہد مقدس پر (جو کہ رسول اللہ کے آٹھویں جانشین کی یادگار اور شیعیان علیؑ کا ایک مسلمہ مرکز خیال کیا جاتا ہے) مختلف اوقات میں دشمنان دین نے حملہ کر کے اپنی حسرتوں کو پورا کیا۔ تو ازبک خاندان نے اس مقام مقدس کے تخت وتاراج کرنے میں کسر اٹھا رکھی اور نہ کبھی ترکمانوں نے اس مقام مقدس کی عظمت کا کچھ لحاظ کیا باوجود ان تمام مشکلات اور فتنوں کے جس وقت بھی شیعوں کو کچھ تھوڑا سا موقع ملا وہ اسی وقت امور خیر کی طرف متوجہ ہو گئے اور فوراً اپنے اموال کو راہ خدا میں صرف کرنا انھوں نے اپنے لئے ذریعہ نجات سمجھا اس وقت بھی روضہ رضویہ کے متعلق اس کثرت سے اوقاف ہیں کہ جو اس امر پر اچھی طرح سے روشنی ڈالتے ہیں کہ اہل بیت رسالت کے حقیقی اور سچے تابعین میں سے یہ ہی ایک فرقہ حقہ ہے کہ جنھوں نے اپنے جان ومال دونوں کو راہ خدا میں صرف کر ڈالنا اپنے لئے نجات ابدی کا ذریعہ سمجھا۔

سبھوخانیکوف سیاح روسی نے اپنی مشہور کتاب مشرقی ایران میں جو کچھ تفصیل اوقاف

روضہ رضویہ کے متعلق لکھی ہے ہم اسکو کتاب مطلع الشمس سے ذیل میں درج کرتے ہیں
وہو ہذا - اما وقف نامہ ہائے اوقاف روضہ مقدسہ اقدم از ہمہ وقفنامہ ایست
کہ یکے از زائرین کہ حسام الدین نام داشت نوشتہ قریہ احمد آباد را وقف کردہ و
تاریخ آن ہفصد و سی و ہشت ہجری است و سائر وقفنامہ ہا از قرار ذیل ست - دو
وقف نامہ در زمان شاہ طہماسپ - سہ وقف نامہ در عہد شاہ عباس بزرگ - یک
وقف نامہ در سلطنت شاہ صفی - چہار وقف نامہ در دولت شاہ سلیمان ، ہشت
وقف نامہ در عصر شاہ سلطان حسین - یک وقفنامہ در استیلاے افاغنہ بر ایران -
سہ وقف نامہ در زمان نادرشاہ یک وقف نامہ در عہد عادل شاہ یک وقف نامہ
در سلطنت شاہ رخ افشار - نہ وقف نامہ در سلطنت کریم خاں زند - چہار
وقف نامہ در سلطنت شاہ شہید آقا محمد شاہ - ہفت وقف نامہ در عصر خاقان مغفور
فتح علیشاہ - دہ وقفنامہ در عہد شہریار مبرور قاضی محمد شاہ غازی - شش وقفنامہ
تاکنوں کہ دوازدہ سال از سلطنت اعلیٰ حضرت شاہنشاہ ناصر الدین شاہ قاچار
گذشتہ است - معلوم ہوتا ہے کہ روسی سیاح نے صرف ان اوقاف کی تعداد اور نام
کو اپنی کتاب میں ظاہر کیا ہے کہ جن سے سالانہ ایک کثیر آمدنی روضہ مقدسہ کے خزانہ
میں داخل ہوتی ہے - ورنہ مختلف عمارات اور بنائیں اور متعدد مدارس اور تعلیمگاہیں
یہ سب اوقاف ہی میں شامل ہیں اسکے علاوہ کتب خانہ رضویہ میں جو فرامین اور احکام اور
وقف نامے موجود ہیں اُنکی فہرست ایکسو سے زاید ہوتی ہے اور یوں بھی وقتاً فوقتاً
اوقاف برابر ہوتے رہتے ہیں اور فرقہ شیعہ کے اکثر افراد حتی المقدور اس کارِ خیر میں حصہ

لیتے رہتے ہیں۔ اوقاف کی کثرت سے اس امر کا پتہ ضرور ملجاتا ہے اور کوئی شبہ اور شک اس امر میں باقی نہیں رہتا ہے کہ فرقہ حقہ شیعہ اس امر خیر میں تمام فرق فقہائے اسلامی سے پیش پیش اور مقدم ہے اور اسلام کا کوئی فرقہ بھی فیاضی اور سخاوت میں اس فرقہ حقہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا ہے۔ فرحت آغا نے جو کتاب منصوری بیگم زین مشہد مقدس کے حالات کے متعلق زبان انگریزی میں تحریر فرمائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اوقاف آستانہ رضویہ کی آمدنی اس وقت نو لاکھ تومان سالانہ تک پہنچی ہے بہر حال روضہ رضویہ کے متعلق جو اوقاف ہیں انکی تعداد اور شمار اور آمدنی کے صحیح اعداد کا علم دفتر اوقاف متولی باشی یا ایرانی حکومت کے سرکاری کاغذات ہی سے ہو سکتا ہے اور کوئی دوسرا ذریعہ اسکے علاوہ ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ جس کے ذریعہ سے یقینی آمدنی اور اعداد و شمار اوقاف تحریر کئے جا سکیں۔ ممکن ہے فرحت آغا صاحب کی تحقیقات صحیح ہو اور انھوں نے سرکاری کاغذات سے نو لاکھ تومان سالانہ کی آمدنی لکھی ہو لیکن میری ذاتی تحقیق اور دوسرے حضرات کے علم و یقین کی بنا پر یہ آمدنی زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ بہر نہج روضہ مقدس کی آمدنی لاکھوں روپیہ سالانہ کی ضرور ہے۔

شاہ عباس صفوی نے انتظام روضہ مقدسہ کے واسطے پانچ افسر مقرر فرمائے تھے جنکو سرکشک باشی کہتے ہیں اور انہیں افسران کی رائے سے حرم مقدس کے تمام امور انتظامی طے پاتے ہیں ہر ایک سرکشک باشی کی ماتحتی میں ایک خادم باشی اور ایک فراش باشی ہوتا ہے اور ہر خادم باشی کی ماتحتی میں ڈیڑھ سو خادم ہوتے ہیں جنکو متعلق حرم مقدس کے جملہ انتظامات ہیں ہر فراش باشی کی ماتحتی میں تقریباً تیس فراش ہوتے

ہیں جو حرم مقدس کی صفائی وغیرہ کا انتظام کرتے ہیں۔ ہر خادم کو پانسو من
تبریزی گندم اور تین تومان نقد سالانہ ملتا ہے اور فراش کو ڈیڑھ سو من تبریزی
گندم اور پندرہ قران سالانہ دئے جاتے ہیں اسی طرح پانچ دربان باشی ہیں اور
ان کی ماتحتی میں تقریباً ایکسو چالیس دربان ہیں جو پانچ کشک پر منقسم ہیں جن کے
متعلق حرم مقدس کے دروازوں کی نگرانی اور حفاظت کا کام ہے۔ ہر دربان کے ایک
نشان نقرئی لگا ہوا ہوتا ہے جس سے اُسکے فرائض کا پتہ چلتا ہے اکثر ان میں سے عصا
بردار ہیں جو نقرئی عصا لئے دروازہ حرم مقدس پر کھڑے رہتے ہیں فراشوں کی طرح ان کو بھی ڈیڑھ
سو من تبریزی گندم اور پندرہ قران نقد سالانہ ملتا ہے جو بظاہر گذر اوقات کے لئے
بہت کم ہے۔ روضہ مقدسہ میں پچاس قرآن خوان مقرر ہیں جو یومیہ قرآن خوانی کرتے
ہیں اور انکے علاوہ اور بھی ملازم ہیں جو اپنا اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔ پانچویں دن ایک
سرکشک باشی مع اپنے عملہ کے باری باری سے حرم مقدس کے خدمات بجا لاتے ہیں
حرم مقدس اور اوقاف حرم کے متولی اعلیٰ شہنشاہ ایران ہوتے ہیں اور بحیثیت متولی
اوقاف کے آمدنی کا دسواں حصہ بادشاہ کو دیا جاتا ہے۔ متولی باشی کی سکونت کے
واسطے ایک عمدہ اور جدید طرز کا مکان بالائے خیابان اوقاف کی آمدنی سے بنوا دیا
گیا ہے جس میں متولی باشی قیام پذیر رہتے ہیں۔ حرم مقدس کے جملہ امور انتظامی کے افسر
اعلیٰ متولی باشی ہوتے ہیں اور انکی ماتحتی میں چند دیگر کارکن ہوتے ہیں جو سلطنت
کی طرف سے مقرر کئے جاتے ہیں اور ان کا خطاب منصور التولیۃ و شجاع التولیۃ وغیرہ ہوتا
ہے چونکہ ناصر الدین شاہ قاچار کے بعد سے یہ دستور قایم ہو گیا تھا کہ جس نے بیس ہزار

تومان بادشاہ کو نذرانہ دیدے وہ ہی مشہد مقدس کے اوقاف کا متولی باشی بنادیا گیا اس لئے متولی باشی کے دل میں قدرتاً سب سے پہلے یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ ادا شدہ رقم جلد سے جلد کسی طرح اوقاف کے خزانہ سے وصول کر لیجائے اسیوجہ سے فقرا و محتاجین اور زائرین ہمیشہ متولی باشی اور انکے ماتحتوں کے شاکی رہتے تھے اور افسران وقف ایک بڑی رقم کو سالانہ اپنے ذاتی صرف میں خرچ کر ڈالتے تھے سال گذشتہ سے حضور شہنشاہ کج کلاہ شاہ رضا خاں پہلوی خلد اللہ ملکہ نے ایک فوجی افسر کو اوقاف کے دفتر کی آڈٹ کرنے کے واسطے مقرر فرمادیا ہے اور امید ہے کہ آیندہ متولی باشی وقف کی آمدنی کو صحیح مصارف میں صرف کریں گے یہ آمدنی مختلف خیراتی کاموں ۔ مدارس ۔ شفاخانہ ۔ فقرا اور زائرین کی اعانت میں صرف کیجاتی ہے لیکن آجکل محتاجوں اور غربا کے تقسیم کرنے میں سخت دقت پیش آتی ہے کیونکہ متولی باشی کو چیک کاٹنے میں دو دو ماہ صرف ہو جاتے ہیں اوقاف کی آمدنی کے علاوہ حرم مقدس کی آمدنی دفن اموات کے ذریعہ بھی ہوتی ہے اسکی رقم کا اندازہ اس تفصیل سے ہوسکتا ہے ۔

رواق و ایوان طلا میں دفن ہونے کے واسطے پانسو تومان ۔ صحن اقدس میں دفن کرنے کے واسطے یکصد تومان مقرر ہیں اسی وجہ سے ان تمام مقامات میں بہت کثرت سے قبور ہو گئے ہیں ۔ اور اکثر قبروں پر کتبے بھی موجود ہے کہ جن کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صاحب قبر کون ہیں ۔ حرم اقدس میں جب دفن کے واسطے جگہ نہیں رہتی تو پرانی قبروں کی ہڈیاں نکالکر باہر قبرستان میں دفن کی جاتی ہیں اور صحن اقدس میں جنازہ

کے واسطے جگہ نکال لی جاتی ہے نہیں معلوم کہ یہ امر شرعی حیثیت سے کہاں تک جائز اور درست ہے قابل افسوس یہ امر ہے کہ حرم مقدس کے گرد کی عمارات اس وقت قابل مرمت ہیں اور جو رقم کہ ان عمارات کی درستی کے واسطے اوقاف کے خزانہ سے دی گئی تھی وہ اسپر صرف نہیں کی گئی خدا معلوم کہ وہ رقم کہاں اور کس مصرف میں صرف کر دی گئی دولت علیہ ایران کو اسکی طرف توجہ کرنا چاہیئے اور جو لوگ خائن ہیں یا احکام پر عملدرآمد نہیں کرتے انہیں عبرت انگیز سزائیں دیجائیں تاکہ وہ اپنے ناجائز اعمال کی پاداش کو اس دنیا میں بھی پہنچیں اور آیندہ کسی شخص کو ایسی جرات نہو کہ وہ حکومتی احکام کی مخالفت میں اپنی ذاتی خواہشات کے پورا کرنے کی کوشش کر سکے

جغرافیۂ مشہد

اس شہر کی ہیئت کو پلنگ خوابیدہ سے تشبیہ دیتے ہیں اس شہر کے چاروں طرف ایک دیوار محیط ہے کہ جو تقریبًا چھ میل سے زیادہ ہوگی کیونکہ شہر کا طول و عرض جو کہ شمال شرقی سے جنوب مغربی کی طرف ہے قریب دو میل کے ہے اور یہ امر علم ہندسہ میں طے ہو چکا ہے کہ قطر کی نسبت اپنے محیط سے دو ثلث اور کچھ زاید کے ہوتی ہے پس اس اعتبار سے اگر اس محیط کی طرف ایک خط اس طرح سے کھینچا جائے کہ جو مرکز پر گزرتا ہوا محیط کے دوسرے کنارے سے ملجائے تو یہ قطر اس محیط کا کہلائے گا اور وہ نسبت جو کہ محیط کو اپنے قطر سے ہوتی ہے وہ دو ثلث اور کچھ زائد کے ہوئے جبکہ طول عرض شہر قریب دو میل کے ہے تو لامحالہ محیط چھ میل اور کچھ زائد کا ہوگا۔

بہر حال یہ شہر اقلیم رابع میں واقع ہے خط استواء سے عرضاً ۳۶ درجہ ۲۰ دقیقہ اور طولاً ۵۹ درجہ ۳۰ دقیقہ ہے اور جنوب کے نقطے سے سمت قبلہ ۴۵ درجہ ۷ دقیقہ پر ہے مشہد کی وادی چاروں طرف سے اونچے اونچے پہاڑوں سے گھری ہوئی ہے شہر مشہد ایک نہایت زرخیز وادی میں واقع ہے جس میں قدرتی چشمے مختلف پہاڑوں سے نکلکر بہتے ہیں جو باغات اور زراعت کی سرسبزی کا باعث ہیں۔ یہاں کی آب و ہوا خوشگوار اور سرد خشک ہے۔ یہ سطح سمندر سے تین ہزار ایکسو فٹ بلند ہے۔ یہ شہر ایک پرانی اور مستحکم شہر پناہ سے گھرا ہوا ہے جس کے گرد گہری خندق ہے اور شہر پناہ کو ایکسو اکتالیس بروج ہیں۔ ہر برج کا فاصلہ ایک پرتاب تیر کا ہے۔ برج اس طرح بنائے گئے ہیں کہ اگر دشمن ایک برج پر قبضہ کرے تو دوسرے برجوں سے شہر کی محفوظ فوج مدافعت کر سکے۔ شہر پناہ کے آٹھ دروازے ہیں۔ اول دروازہ توقان۔ دوم دروازہ پایین خیابان۔ سوم دروازہ بالائے خیابان چہارم دروازہ سراب پنجم دروازہ ارک ششم دروازہ عیدگاہ ہفتم دروازہ میرعلی اموبیہ ہشتم دروازہ نوغان۔ مشہد مقدس کی آبادی تقریباً اسی ہزار نفوس کی ہے۔ اور بعض مولفین نے ایک لاکھ تک تخمینہ کیا ہے۔

مشہد کے محلات و کوچہ بازار

مشہد مقدس میں کل تیس محلہ ہیں جن میں سے مشہور اور بڑے محلہ یہ ہیں۔ محلہ بالائے خیابان۔ محلہ پایین خیابان۔ محلہ سراب۔ محلہ چہار باغ، محلہ عیدگاہ

محلہ نوقان - محلہ چاچہار - محلہ ارک - محلہ سرسوق - محلہ سرحوضخان - محلہ کشمیرہا
محلہ طپ - محلہ چاہ نو - محلہ مردہا - محلہ جدید - محلہ جمہود ان کے علاوہ دربست
اور مسجد گوہرشاد جو درمیان شہر کے واقع ہے منجملہ ان محلوں کے کسی میں داخل نہیں
ہے - بلکہ بجائے خود وجہ اگانہ محلہ آباد ہیں - محلہ بالائے خیابان شہر کے
شمال ومغرب میں واقع ہے اور محلہ پائین خیابان شہر کے جنوب ومشرق میں -
محلہ سراب شہر کی مغربی سمت - محلہ چہار باغ بھی شہر سے جانب مغرب واقع ہے
البتہ محلہ چہار باغ قریب اور اسکے بعد محلہ سراب ہی - محلہ ارک شہر کے مغرب جنوب
میں ہے - محلہ عیدگاہ شہر کے جنوب میں واقع ہے اور عیدگاہ محلہ کے چار بڑے
بڑے حصہ میں جو بجائے خود ایک ایک محلہ ہے - ایک محلہ کو سجدہ گاہ - دوسرے کو
گود حسام الدین تیسرے کو کوچہ کربلا - چوتھے کو سرتپہ خاک کہتے ہیں - محلہ
سرحوض خاں بھی شہر کے جانب جنوب واقع ہے محلہ پاچہار شہر کے شمال میں ہی
محلہ نوقان شمال ومشرق میں - اسی محلہ میں قتل گاہ ہے جو شہر کے قبرستان سے
ملحق ہے جسکو خود امام رضا علیہ السلام نے خرید فرماکر وقف کردیا تھا - محلہ نوقان
کے بھی کئی حصہ ہیں جو بجائے خود علٰحدہ علٰحدہ ایک محلہ ہی - پائے گنبد
خشتی - حابطہ لنو - سرپل سنگی - سرقبر میر - محلہ چہار شمار ہا - محلہ کشمیرہا وغیرہ
یہ سب محلہ داخل نوقان ہیں -

محلہ بالائے خیابان کے مشہور راستہ اور کوچہ حسب ذیل ہیں - دالان سنگ تراشہا
دالان جعفر بابود - کوچہ گل - کوچہ تنور سازہا - دالان حمام میرزا ابراہیم - کوچہ

باغ میرزا - کوچہ مقبرہ نادر - کوچہ نو - کوچہ حوض لقمان - کوچہ مرزا شہاب - کوچہ
حمام سالار - کوچہ حاجی قوامی - کوچہ چہار باغ - کوچہ باغ نائب خاں - کوچہ باغ عنبر
کوچہ افشار ہا -

محلہ پائین خیابان کے مشہور کوچہ حسب ذیل ہیں - کوچہ تیغ بندی - کوچہ شور - کوچہ چنبر شمار ہا
کوچہ حسن قلی - کوچہ سارباں ہا - کوچہ علیجان میرشب - کوچہ عباس قلی خاں - کوچہ
جدید ہا - کوچہ باغ حسن خاں -

پست مقدس کے کوچہ و بازار حسب ذیل ہیں - بازار سرسوق - بازار بزازہا - بازار
کفش دوزہا - بازار سنگتراشہا - کوچہ زیر نقارہ - بازار کلاہ دوزہا - دالان مدرسہ دو در
شہر کے مغربی اور جنوبی راستہ کے کوچہ حسب ذیل ہیں - دالان علی پناہ - دالان حاجی
رقیہ - دالان روح اللہ بیگ - کوچہ حمام گوہرشاد - کوچہ حوض نو - کوچہ حمام سالار
بہادر - کوچہ حمام میر علم خاں - کوچہ مسجد ذوالفقار - کوچہ باغ دلبی - کوچہ حوض کلہ
کوچہ کربلا - کوچہ حوض یونس - کوچہ حوض چہل پایہ - کوچہ شیخ روشنائی - کوچہ گوارہ
گاہ سراب بازارچہ سرآب عیدگاہ - سرتپہ خاک - کوچہ پشت میرزکی - کوچہ سر حوض خان -
شہر کے شمال و مشرقی حصہ کے راستے و کوچہ حسب ذیل ہیں - کوچہ طویلہ - کوچہ حمام صاحب کار
کوچہ حاجی رستم کرد - کوچہ حمام آغاچہ - کوچہ پشت گنبد خشتی - کوچہ حوض محمد علی خاں
بازارچہ نوقان - میدان کہنہ - کوچہ سر قبر میر - کوچہ سرپل سنگی - کوچہ سراب میرزا

مدارس مشہد مقدس

مشہد مقدس میں بہت سے مدارس اور مکاتب ہیں - اکثر ان میں سے بہت قدیم

بعض مدارس میں محض عربی - فارسی میں مذہبی تعلیم ہوتی ہے اور بعض مدارس
علوم جدید کی بھی تعلیم ہوتی ہے - اکثر مدارس میں انگریزی - فرنچ اور روسی بطور
دوسری زبان کے لازمی ہے - چند مدارس کے نام اور حالات لکھے جاتے ہیں -
اول مدرسہ نواب میرزا صالح - اس مدرسہ کی بہت بڑی عمارت ہے - ساٹھ سے لیکر
اکیسو طلبہ تک پڑھتے ہیں موقوفہ جائداد اس مدرسہ کی کافی ہے یہ مدرسہ سنہ ۱۰۷۶ھ
میں شاہ سلیمان کے عہد کا بنا ہوا ہے - دوم مدرسہ حاجی حسین اس مدرسہ کے
متعلق چند دوکانیں موقوفہ ہیں اور چند طلبا پڑھتے ہیں -

سوم مدرسہ ملا محمد باقر - اس مدرسہ کا انتظام اچھا ہے - ایک کاروانسرائے اور
چند دوکانیں اس کے متعلق وقف ہیں اس مدرسہ میں تقریباً سو طالبعلم ہیں یہ مدرسہ سنہ ۱۰۸۳ھ
کا تعمیر کردہ ہے - چہارم مدرسہ فاضل خاں اس مدرسہ کے متعلق بہت سی جائداد
اور دوکانیں وقف ہیں - ایک بہت بڑا کتب خانہ بھی ہے جسکی قیمت کا اندازہ
ستر ہزار تومان کیا جاتا ہے یعنی دو لاکھ دس ہزار روپیہ ہندوستانی فاضل خاں
ایک ایرانی شخص تھا جس نے ہندوستان آکر دولت و ثروت پیدا کی تھی اسی آمدنی
سے یہ مدرسہ تعمیر کیا ہے - محلہ کے دروازہ پر جہاں یہ مدرسہ واقع ہے ایک پتھر کا
کتبہ لگا دیا ہے جسپر یہ عبارت لکھی ہے کہ اس مدرسہ میں تین مقامات کے طلبہ
داخل کئے جائیں - اول ہندوستانی - دوم ماژندرانی - سوم عرب - ہندی اس
لئے کہ وہ حقیقت میں بہت جھوٹ بولتے ہیں - ماژندرانی اس واسطے کہ وہ لڑاکو
ہیں - عرب اس وجہ سے کہ وہ بدتمیز اور میلے کچیلے ہوتے ہیں - اتفاق سے ایک عرب

اس مدرسہ میں آیا اور قیام کرنا چاہتا تھا۔ رئیس مدرسہ نے اسکو بانی مدرسہ کی شرط
سے آگاہ کیا حضرت نے فوراً آسمان کی طرف کو ہاتھ اٹھا کر کہا کہ فاضل خاں ترا مغفرت
کند حرف راست گفتنی یہ کہکر کسی دوسری جگہ چلا گیا۔

پنجم۔ مدرسہ ملا ناجی۔ فی زمانہ اس مدرسہ میں کوئی طالب علم نہیں ہے۔ سلسلۂ درس و
تدریس بند ہے بلکہ عمارت میں زوار قیام کرتے ہیں۔

ششم مدرسہ مرزا جعفر۔ اس مدرسہ کی عمارت عمدہ اور شاندار ہے تقریباً پچاس ساٹھ
طلبہ رہتے ہیں۔ وقف بہت کافی ہے ۱۰۵۵ھ کا تعمیر شدہ ہے۔ کہتے ہیں کہ مرزا جعفر
نے ہندوستان جا کر ایک دولت مند کی ملازمت کی کچھ دنوں کے بعد وہ دولتمند فوت
ہو گیا۔ اس وقت اسکا تمام سامان اور اسباب نیلام کیا گیا چونکہ جواہر اور نقود
شکستہ اور پرانے صندوقوں میں بھرے ہوئے تھے اور سوائے میرزا جعفر کے کوئی دوسرا شخص
اس راز سے واقف نہ تھا اس لئے میرزا جعفر نے ان تمام بند صندوقوں کو بذریعۂ
نیلام خرید لیا اور اسکے سرمایہ سے اپنے کاروبار تجارت کو ترقی دی جب سرمایہ
تجارت کے فائدہ سے کثیر ہو گیا تو میرزا جعفر مرحوم نے ایران کی واپسی کا قصد کیا حاکم
وقت مانع ہوا اور کہا کہ جس طرح تم خالی ہاتھ اپنے ملک سے آئے تھے اسی طرح جا سکتے
ہو۔ میرزا جعفر نے جواب دیا اگرچہ یہ امر مجھ پر نہایت شاق ہے کہ میں اپنا تمام
سرمایہ ملک ہند میں چھوڑ کر ایران کو چلا جاؤں۔ لیکن میں تمہاری خوشنودی کے
واسطے اسکو منظور کرتا ہوں۔ بشرطیکہ میری عمر عزیز کا وہ حصہ جو اس سرمایہ کے حاصل
کرنے میں صرف ہوا ہے مجھکو واپس کر دیا جائے تاکہ میں ایران جا کر دوبارہ تحصیل

اموال کر سکوں یہ جواب میرزا کا حاکم کو پسند آیا اور اس نے مرزا جعفر کو مراجعت کی مع اموال و عیال اجازت دی اگرچہ مرزا اپنے وطن مالوف کو واپس آگئے اور موت نے اس قدر مہلت نہ دی لیکن مرزا مرحوم نے بذریعہ وصیت اپنے اموال کو امور خیر میں تقسیم کردیا اور اس مدرسہ کی بنا اُسی مال سے ہوئی۔

ہفتم مدرسۂ سعد الدین یا مدرسہ پائین پا کیونکہ یہ مدرسہ روضہ مقدس کے پائین واقع ہے اس وجہ سے اسی نام سے موسوم ہے اس مدرسہ کا انتظام بہت اچھا ہے تقریباً پچاس طلبہ پڑھتے ہیں۔ اس مدرسہ کے وقف میں حمام۔ کاروانسرائے اور چند دوکانیں شریک ہیں۔ جنکی کافی آمدنی ہے۔ سعد الدین کے متعلق ہی ایک روایت مشہور ہے وہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ سعد الدین جب وارد ہندوستان ہوا تو اس قدر پریشان اور مفلوک تھا کہ بے خبر گلی کوچوں میں گدائی کرتا پھرتا تھا۔ ایک دن ایک پیرمرد ہندی نے اس سے کہا کہ اگر تجھکو منظور ہو تو میرے ساتھ میرے مکان پر چل اور وہاں مزدوری کر۔ لیکن شرط یہ ہے کہ میں تجھکو اس طرح اپنے مکان پر لے جاؤں گا کہ اول تیری آنکھوں پر پٹی باندھوں گا اور جب تو مکان پر پہنچ جائے گا تو پٹی کھولدی جائے گی تمام دن مزدوری کرنا شام کو پھر اسی طرح تجھکو اس مقام پر پہنچا دوں گا۔ سعد الدین اسپر راضی ہوگیا وہ پیرمرد پیچدار راستوں سے اسکو اپنے مکان پر لیگیا اور پٹی کو آنکھوں سے کھولدیا اور کہا کہ اس زمین کو کھود جب سعد الدین نے زمین کو کھودا تو پیرمرد نے طلائی اور نقرئی رائج الوقت سکوں کو اسمیں دفن کردیا۔ شام کو پیرمرد نے نہایت معقول اجرت دے کر حسب قرارداد اسکو اُسکے مقام پر پہنچا دیا۔ زمانہ دراز تک یہ طریقہ جاری رہا

کہ پیرمرد صبح کو اسی طریقے سے سعد الدین کو اپنے ہمراہ لے جاتا تھا اور شام کو واپس پہنچا دیتا تھا ایک دن سعد الدین نے خیال کیا کہ کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہیے کہ جس سے اس مکان کا پتہ معلوم ہو جائے۔ چنانچہ ایک دن سعد الدین نے ایک بلی کو مارا اور اس کی کھال نکال کر اس میں اشرفیاں بھر دیں اور دیوار کی دوسری طرف پھینکدیا اس کے گرنے کی آواز سے سمجھا کہ اس طرف دیوار کے پیچھے کیچڑ ہے اور آپ اپنے کام میں مشغول ہو گیا جس وقت شام ہوئی اپنا کام ختم کر کے اور اجرت لیکر حسب معمول باہر آیا اس کے بعد سعد الدین نے کوشش کر کے پوست گربہ کو تلاش کر لیا اور اس طریقے سے اس پیرمرد کے مکان کا پتہ دریافت کر لیا کچھ دنوں کے بعد پیرمرد مر گیا اور اس کے ورثانے اس مکان کو فروخت کرنا چاہا چنانچہ سعد الدین نے ان اشرفیوں سے کہ جو پوست گربہ میں بھر کر باہر دیوار کے پھینکدی تھیں اس مکان کو خرید لیا اور اس طرح ان تمام نقود و جواہرات کا مالک ہو گیا اور اس دولت کو ایران میں لایا اور اس سرمایہ سے اس مدرسہ کی بنا قائم کی۔

ہشتم مدرسہ بالائے سر۔ روضۂ مقدس کے بالائے سر یہ مدرسہ واقع ہے اسی سبب سے اس کا نام مدرسہ موسوم ہے یہ مدرسہ بہت صاف ستھرا ہے اور سنہ ۱۰۹۱ھ کا تعمیر کردہ ہے اور تقریباً بیس طلبا رہتے ہیں اوقاف کی چند دوکانیں اس مدرسہ کی موجود ہیں جنکی آمدنی سے اس مدرسہ کے اخراجات چلتے ہیں۔ شاہزادگان اوزبک اولاد امیر تیمور سے کسی نے بنایا تھا

نہم مدرسہ پریزاد خانم یہ مدرسہ چھوٹا سا ہے تیس طلبا رہتے ہیں اوقاف بھی مدرسہ کے لئے کافی ہے جس زمانہ میں گوہرشاد خانم آغا نے مشہور مسجد گوہرشاد تعمیر

کرائی تھی اسی وقت یہ مدرسہ اسکی کنیز پریزاد خانم نے بنوایا تھا۔

دہم۔ مدرسہ دو در۔ یہ مدرسہ شاہزادہ شاہ رُخ گورگانی کا تعمیر کردہ ہے۔ جو امیر تیمور کی اولاد میں سے تھے اس مدرسہ کا بھی وقف موجود ہے جو ۸۲۳ھ ہجری سے برابر اس وقت تک چلا آتا ہے۔

یازدہم مدرسہ سلیمان خاں۔ مرحوم سلیمان خاں اعتضاد الدولہ خاندان قاچاریہ کے امرائے عظام میں سے تھے یہ مدرسہ انکا تعمیر کردہ ہے اس مدرسہ کا تھوڑا سا وقف بھی ہے اور بیس طالب علم رہتے ہیں۔

دوازدہم مدرسہ خیرات خاں۔ اس مدرسہ کی بہت بڑی اور عالیشان عمارت تھی لیکن اب خراب حالت میں ہے اس مدرسہ کا وقف بہت زیادہ ہے۔ لیکن انتظام اچھا نہیں ہے تقریباً بیس طالب علم رہتے ہیں۔

سیزدہم مدرسہ عبدل خاں۔ فی الحال یہ مدرسہ خالی پڑا ہے نہ طالبعلم ہیں اور نہ استاد

چہاردہم۔ مدرسہ عباس قلی خاں بہت عمدہ اور مکمل عمارت ہے اس مدرسہ کے اوقاف میں حمام اور چند دوکانیں شامل ہیں یہ مدرسہ ۱۰۸۰ھ ہجری کا تعمیر شدہ ہے۔

پانزدہم۔ مدرسہ حاجی رضوان۔ یہ چھوٹا سا مدرسہ ہے زیادہ وسعت نہیں ہے دس طلبا رہتے ہیں۔ چند دوکانیں اور حمام مدرسہ کے وقف میں داخل ہیں جنکی کافی ہے زیادہ آمدنی ہے

شانزدہم۔ مدرسہ نزد چہار باغ اس مدرسہ کا نام نہ معلوم ہوسکا۔ نادر شاہ افشار کے زمانہ میں اس مدرسہ سے اصطبل کا کام لیا جاتا تھا اب بھی اسی خراب خستہ حالت میں ہے

ہفدہم مدرسہ اکبر منصور رضویہ یہ نائٹ اسکول ہے ایک کرایہ کے مکان میں سر شاہ بازار میں واقع ہے

ہشتادہم مدرسہ نتشاریہ - نوزدہم مدرسہ ابدال خان - بستم مدرسہ سبزوار یہا - بست و یکم مدرسہ مہدی خان - بست و دوم مدرسہ حاجی آقاجان معمار باشی - بست و سوم مدرسہ خواجہ یوسف - بست و چہارم مدرسہ امیر ناصر -

ان کے علاوہ اور بھی کئی سرکاری اور غیر سرکاری مدارس ہیں جنکی مجموعی تعداد کل چون ہیں - کئی اُن میں سے ہائی اسکول بھی ہیں اکثر مدرسوں میں طلبا کو وظیفہ و کھانا بھی ملتا ہے - سب سے بڑے مذہبی مدرسہ میں مدرس اعلیٰ آغا زادہ ہیں جو ایک مشہور مجتہد قمی ہیں -

حمام

مشہد مقدس اور ممالک ایران میں حمام بکثرت ہیں - اکثر ہندوستانی حضرات حمام سے قطعی ناواقف ہیں وہ اپنے خیال سے حمام کو معمولی غسل خانہ سمجھتے ہوں گے - ان ممالک میں حمام بجائے خود ایک ضروری اور کارآمد چیز ہے - معمولی سے معمولی حمام میں کئی کمرے ہوتے ہیں اور متعدد گرم و سرد حوض - ہر ایک حمام میں ان چیزوں کا ہونا ضروری ہے اول داخل ہوتے ہی ایک بڑا کمرہ ملیگا جسکو جامہ کن کہتے ہیں یہاں کپڑے اُتارے جاتے ہیں - حمامی فوراً لنگی پیش کردیتا ہے اور پھر آپ سے درخواست کرتا ہے کہ اگر کچھ نقدی ہے تو مالک یا مینجر حمام کے پاس بطور امانت رکھوا دیجئے اکثر حماموں میں اس مضمون کی تختیاں لگی ہوئی ہیں یا دیوار و پر لکھا ہوا ہے کہ آقایان محترم امانت خود بسپارید" اس کے بعد آپ کو حمامی ایک پیچدار راستہ سے لیکر

حمام میں داخل ہوتا ہے جہاں کافی گرمی ہوتی ہے۔ حمام کی کل سطح تہ گرم ہوتی ہے
حمام کے اندر بیت الخلا اور نورہ لگانے کی جداگانہ جگہ ہے ایک حوض تیز گرم ہے
جو داغ کہلاتا ہے۔ دوسرا نیم گرم۔ باقی کئی حوض سرد پانی کے ہوتے ہیں۔ اکثر
حماموں میں حوض شناوری بھی ہوتا ہے جو تقریباً پانچ چھہ گز چوڑا اور دس سے
لیکر پندرہ گز لانبا ہوتا ہے۔ حمام کے وسط میں ایک لنگی بچھا کر آپ کو اسپر لٹا دیگا
اور پھر مشت مالی اور کیسہ کرے گا۔ مشت مالی اس عمدگی سے کرتا ہے کہ اکثر تھکے ماندے
مسافر آرام پا کر حمام میں سو جاتے ہیں۔ بعدہ صابون وغیرہ سے ملکر نہلا دیگا اور پھر دوسری
لنگی بدلوا کر حوض میں جانے کو کہے گا وہاں جا کر غوطے کیجیے اور آپ کوثر کا لطف اٹھائیے
اگر واجبی یا سنت غسل کرنا ہے تو فارغ ہو کر حوض سے باہر آئیے۔ دوسرا حمامی فوراً
خشک لنگی اور تولیے لیکر حاضر ہوتا ہے ایک لنگی آپ کے سر کے گرد لپیٹ دے گا۔
دوسری سینے پر۔ تیسری پشت پر۔ چوتھی لنگی اس صفائی سے آپکو پہنا دے گا۔ کہ
گیلی لنگی جدا کر کے خود لے گا اور خشک آپ کو دے گا اس عمل میں نہ آپ کا جسم برہنہ ہوگا
اور نہ آپ کے اوپر بھیگی لنگی کے جدا کرنے میں کوئی چھینٹ جا سکتی ہے۔ کیسا ہی انسان وہمی
یا وسواسی ہو وہ حمامی کے اس طرز عمل سے کبھی ناخوش نہیں ہو سکتا ہے۔ حمامی دروازہ
کھولکر جامہ کن میں پہنچا دیتا ہے وہاں بھی ایک حوض ہے جو صرف پاؤں پاک کرنیکے
کام آتا ہے۔ اس حوض میں پاؤں پاک کر کے آپ اپنی جگہ چلے جائیے۔ وہاں آرام سے
بیٹھکر کپڑے پہنیے۔ حمام میں آئینہ۔ کنگھا۔ برش وغیرہ سب ضرورت کی چیزیں ملتی ہیں
لباس پہننے سے قبل ایک حمامی آتا ہے اور آپکے سر و گردن شانہ اور پشت دباتا ہے اور

عافیت باشد کہکر دوسرے کی طرف چلا جاتا ہے اکثر حمامی اپنے حمام میں غسل کرنے والوں کو سگرٹ بھی پیش کرتے ہیں خصوصًا مشت مالی اور کیسہ کرنیکی حالت میں ان حماموں میں چاے بھی بنائی جاتی ہے۔ حنا اور خضاب بھی اکثر حضرات یہاں لگاتے ہیں۔ حمام سے فارغ ہو کر جامہ کن میں ایک استکان (پیالی) چار پینا ضروری ہے جو مفید صحت بتائی جاتی ہے۔ جامہ کن میں نمازیوں کی آسانی کی غرض سے سجدہ گاہ بھی رکھی ہوئی ہیں جو اکثر صبح کے وقت زیادہ کام آتی ہیں۔ جامہ کن کی دیواروں اور چھتوں پر رستم وسہراب۔ نوشیرواں۔ دبزرگ جمہر اور بروج فلکی کی تصاویر بنی ہوتی ہیں ان کے علاوہ اور بھی بہت سے تاریخی مختلف قسم کے تصویریں حماموں اور انکے دروازوں پر بنائی جاتی ہیں۔ حمام میں غسل کرنیکی اجرت مع مشت مالی اور کیسہ وغیرہ کے دو قران ہے اور صرف غسل کرنے کی نیم قران (قران ایک ایرانی چاندی کا سکہ ہے جو ہمارے ہندوستان کے تقریبًا ساڑھے چار آنے کے برابر ہوتا ہے) جو حقیقت میں بہت ارزاں ہے۔ مشہد مقدس میں بہت سے قدیم وجدید حمام ہیں۔ چند مشہور حماموں کے نام ذیل میں لکھے جاتے ہیں۔ حمام[۱] منبرہ۔ حمام[۲] میرزا ذبیح اللہ خاں حمام[۳] میرزا ابراہیم۔ حمام[۴] شجاع الدولہ۔ حمام[۵] متولی۔ حمام[۶] آغا چہ موسوم بحمام حضرت۔ حمام[۷] صاحب کار۔ حمام[۸] باغ۔ حمام[۹] شاہ وردیخاں۔ حمام[۱۰] حاجی رستم کرد۔ حمام[۱۱] حاجی صغر حمام[۱۲] حاجی میرزا ہاشم۔ حمام[۱۳] حسن قلی۔ حمام[۱۴] حاجی ابراہیم۔ حمام[۱۵] میرزای۔ حمام[۱۶] پاچنار حمام[۱۷] کہنہ سرآب۔ حمام[۱۸] معتمد تولیہ۔ حاجی[۱۹] میرزا بابا مستوفی آستانہ رضویہ۔ حمام[۲۰] دم بازار چہرا حمام[۲۱] حاجی ہاشم خاں۔ حمام[۲۲] میر علم خاں۔ حمام[۲۳] سہام الدولہ۔ حمام[۲۴] سالار۔ حمام[۲۵] حاجی آقاجان

حمام سالار بہادر[25] - حمام شاہ[26] - حمام موتمن السلطنت[27] - حمام سرسوق[28] - حمام کوچک[29] -
حمام میرزا[30] - حمام کرد شام الدین[31] - حمام چہار باغ[32] - حمام امام جمعہ[33] - حمام دم پتہ خاک[34]
حمام عباس قلی خاں[35] - حمام کوچہ کربلا[36] - حمام ہادی خاں قرائی[37] - حمام درب دروازہ[39]
عیدگاہ - عمارہ اور باموقع حمام کا کرایہ بارہ ہزار تومان سالانہ تک ہوتا ہے (تومان
تقریباً تین روپیہ ہندوستانی کی برابر ہوتا ہے) ایران میں حمام بہترین جائداد خیال
کی جاتی ہے - پبلک حماموں کے علاوہ اکثر اعیان واشراف کی ذاتی سکونتی مکانات
میں بھی چھوٹے چھوٹے گرم حمام موجود ہیں ان میں سے بہت سے حمام صرف عورتوں کے
لئے مخصوص ہیں جنکا انتظام بھی عورتیں ہی کرتی ہیں تاکہ مستورات کو جو حمام کرنے آئیں
کوئی دشواری پیش نہ آئے ایرانی عورتیں غسل سے قبل انڈے کی سفیدی اپنے جسم
اور بالوں میں لگاتی ہیں تاکہ جھریاں پڑکر جسم قبل از وقت بدنما نہ ہو جائے ایرانی
مرد و عورت عطر و خوشبو کو بہت پسند کرتے ہیں - ایرانی بلا تکلف ہندوستانی
عطر مانگ لیتے ہیں اور بہت ممنون ہوتے ہیں - ایرانیوں کے لئے سب سے اچھا اور
ہردل عزیز تحفہ عطر اور خوشبودار روغن ہے۔

گاراج

اصل میں یہ لفظ فرنچ زبان کا ہے - آج سے دس سال قبل جب موٹریں ایران میں گئیں تو
ایرانی موٹر کو اٹوموبل اور موٹر خانہ کو گاراج کہنے لگے - گاراج کی طرح اٹوموبل بھی فرنچ
زبان کا لفظ ہے - یہ دونوں الفاظ بجنسہ فرنچ زبان کے اہل ایران نے اپنی زبان

میں شریک کر لیے ہیں اور عام طور پر پورے چاتے ہیں ۔ مشہد مقدس میں بعض
بعض گاراج اسقدر وسیع ہیں کہ ایک وقت میں سو سو موٹر وہاں جدا جدا موٹر خانوں
میں کھڑے جا سکتے ہیں ۔ ہر موٹر کا مالک یا ڈرائیور اپنی موٹر کو موٹر خانہ میں بند
کر کے کواڑ ونکو قفل لگا دیتا ہے اور معمولی سا کرایہ مالک یا کرایہ دار گاراج یومیہ
کے حساب سے ادا کرتا رہتا ہے ۔ ہر گاراج میں ایک حوض یا پانی کا ذخیرہ ہوتا ہے جس سے
موٹر دھوتے اور صاف کرتے ہیں جبکہ وہ طولانی سفر سے آکر وہاں ٹھیرتا ہے
گاراج کے صدر دروازہ کے قریب ایک کمرہ بطور دفتر کے استعمال کرتے ہیں دفتر کے
کمرہ کی دیوار پر مملکت ایران کا ایک بڑا نقشہ آویزاں ہے تاکہ مسافر جس سمت
کو سفر کریں وہاں کی مسافت اور منازل معلوم کر سکیں ۔ دفتر میں میز پر ٹیلیفون
اور ضروری کاغذات ترتیب سے رکھے ہیں ۔ گرد کرسیاں اور بنچیں بچھی ہیں ۔ ایک
گوشہ میں انگریزی میزان رکھی ہے جس سے مسافرین کا اسباب وزن کرتے
ہیں عام طور سے فیکس پانچ من تبریزی سامان ہر مسافر مفت لے جا سکتا ہے
ایک من تبریزی ساڑھے تین سیر انگریزی کی برابر ہوتا ہے اس حساب سے ۱۷ سیر
انگریزی وزن کا اسباب ہر مسافر مفت لے جا سکتا ہے بقیہ سامان پر محصول لے
لیتے ہیں جو مسافت کے حساب سے ہر جگہ کا کم و بیش ہوتا ہے ۔ اکثر موٹروں کا کرایہ
دلالوں کی معرفت طے ہوتا ہے ۔ لیکن اگر کوئی خود مالک موٹر سے کرایہ طے کرلے
تو بھی کچھ ہرج نہیں ہے ۔ فریقین میں کرایہ طے ہونے کے بعد گاراج کا منیجر ایک مطبوعہ
فارم پر جس کے تین حصہ ہوتے ہیں کرایہ نامہ اور شرائط لکھ کر ایک مسافر کو دوسرا

موٹر والے کو رسید دیتا ہے اور منیجر اپنے دفتر میں رکھتا ہے۔ اس طرح کے
تقریباً دس بارہ گاراج اس وقت مشہد مقدس میں موجود ہیں جوں جوں موٹروں کی
کثرت ہوتی جائے گی اسی رفتار سے گاراج بھی نئے تعمیر ہوتے جائیں گے کیونکہ
ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔

کارواں سرائے

جن ممالک میں آمد و رفت بذریعہ قافلہ ہوتی ہے وہاں کاروانسرائے ایک آرام دہ اور
ضروری چیز ہے اسی طرح کل مملکتِ ایران میں بتعدادِ کثیر کاروانسرائے موجود ہیں۔
اکثر منازل میں شاہ عباس صفوی مرحوم کی تعمیر کردہ کاروانسرائے ہیں جن کو ایرانی
مختصر طور پر عباسی کہتے ہیں۔ خاص شہر مشہد مقدس میں حسب ذیل مشہور اور اچھے
کاروانسرائے ہیں۔

اول کاروانسرائے نو (۲) کاروانسرائے ناصری (۳) کاروانسرائے شاہ وردیخان
(۴) کاروانسرائے امام جمعہ موسوم بکاروانسرائے اوربکہا (۵) کاروانسرائے گمرک
(۶) کاروانسرائے رضا قلی میرزا (۷) کاروانسرائے ایدالخان (۸) کاروانسرائے
سالار (۹) کاروانسرائے قزوینیہا (۱۰) کاروانسرائے سلطان۔ ان کے علاوہ چھ
کاروانسرائے خیابان پائیں میں واقع ہیں۔ منجملہ ان کے گیارہ کاروانسرائے تجارت
کے لئے مخصوص ہیں باقی زواروں اور دیگر مسافرین کے واسطے ہیں۔ یہ بہت بڑی
بڑی کارواں سرائے ہیں۔ خصوصاً کاروانسرائے امام جمعہ اس قدر وسعت رکھتی

ہے کہ مشہد مقدس یا اس کے نواح میں اس وسعت کی کوئی دوسری کاروانسرائے
نہیں ہے ایک وقت میں پانچ سو خچر یا الاغ اور ایک ہزار آدمی اس کاروانسرائے میں
بخوبی قیام کر سکتے ہیں۔ عمارات عمدہ اور پختہ ہیں۔ کمرے بڑے اور ہوادار ہیں بعض
کاروانسرائے دو منزلی ہیں۔ ہندوستان کی طرح کچی پکی میلی کچیلی سرائے نہیں ہیں جہاں
مخرب اخلاق بھٹیاریوں کی حکومت ہو اور سرشام پولیس کا ادنیٰ ملازم آکر نام و نشان
دریافت کرے۔ البتہ ان میں سے بعض کاروانسرائے میں ہندوستان کی طرح صفائی
بہت کم ہے۔ لید اور گھاس کی وجہ سے مچھر اور پسو زیادہ پیدا ہوتے ہیں جن سے
مسافرین کو بہت تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ اکثر کاروانسرائے وقفی ہیں جن
میں مسافرین کو قیام کی بابت کچھ نہیں دینا پڑتا۔ لیکن مسافر بوقت رخصت دلاں کو
کو بطور انعام کچھ دے دیتا ہے۔ بعض کاروانسرائے میں مسافروں سے معمولی کرایہ
لیا جاتا ہے جو چوبیس گھنٹے کے لیے فی کمرہ ایک یا دو قران سے زیادہ نہیں ہوتا۔

مشہد کے مختصر حالات

بازار۔ مشہد مقدس میں کئی بازار ہیں منجملہ ان کے کئی مسقف ہیں ایک بازار حرم
مقدس کے صحن کہنہ سے شروع ہو کر محلہ ارک و نوقان تک چلا گیا ہے جو سب سے بڑا بازار
ہے۔ ہر قسم کی ضرورت کی چیزیں ملتی ہیں یورپ کا سامان نفیس دوکانوں میں بھرا
پڑا ہے۔ علاوہ مردوں کے خانم ہائے خراسان تمام بازاروں میں اپنا دلچسپ مشغلہ
خریداری جاری رکھتی ہیں۔ جواہرات کی دوکانوں سے لیکر معمولی بساط خانہ تک کی

ہر قسم کی دوکانیں موجود ہیں۔ دوکاندار عموماً زیادہ قیمت کہتے ہیں اور معاملہ کرنے سے بہت کم قیمت پر مال فروخت کر دیتے ہیں اُن کے ایسا کرنے سے اکثر خریدار کو دھوکا کھا کر نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔ خصوصاً اجنبی کو؛

کُلاہ فروش۔ بازار میں متعدد دکانیں کلاہ سازونکی ہیں۔ یہ لوگ بیسیوں وضع کی ٹوپیاں بنانے اور فروخت کرتے ہیں۔ زیادہ تر نمدہ کی ٹوپی کا رواج ایرانیوں میں ہے۔ جو کئی قسم اور مختلف رنگ کی ہوتی ہیں۔ اعلیٰ قسم کی ایرانی ٹوپی کی قیمت تیس تومان یعنی نوے روپیہ تک ہوتی ہے جو دنبہ کے بچہ کی نرم کھال سے بنائی جاتی ہے۔

جفت فروش۔ ایرانی کاریگر جوتہ اس قدر عمدہ اور خوبصورت بناتے ہیں کہ اگر ہندوستان میں بھی بن سکتا ہے تو بس اتنا ہی عمدہ بن سکتا ہوگا۔ علاوہ ایرانی اور عربی جوتہ بنانے کے وہ لوگ انگریزی زنانہ اور مردانہ جوتہ بہت خوبصورت اور فیشن ایبل بناتے ہیں اور بمقابلہ ہندوستان اور ولایت کے قیمت بہت کم ہے اونچی باریک ایڑی کا انگریزی زنانہ جوتہ اس قدر خوبصورت ہے جسے دیکھا کہ ولایتی ہونے کا گمان ہوتا تھا ان کی دکانوں پر سینکڑوں بلکہ ہزاروں جوڑے تیار رکھے ہیں یہ ہر قسم کے جوتے بناتے اور فروخت کرتے ہیں مثلاً لانگ بوٹ، رائیڈنگ بوٹ نیکل بوٹ۔ شوز۔ پمپ شو۔ کوٹ شو۔ گورگابی نیکل سلیپر، ہاف سلیپر زنانہ ومردانہ وغیرہ وغیرہ۔

خونچہ فروش۔ خونچہ بردارگلی۔ کوچوں میں بار بار گشت لگاتے پھرتے ہیں اور

اور تقریباً ہر قسم کا سامان میوہ - ترکاری - مٹھائی - بسکٹ - کیک - ایس کریم اور ان کے علاوہ دوسری ضرورت کی چیزیں بھی برابر فروخت کرتے پھرتے ہیں یہ طریقہ فروخت کا ایسا ہے کہ جس سے خریدار کو آسانی ہوتی ہے اور گھر بیٹھے ضرورت کی چیز ملجاتی ہے اور بیچنے والا اپنا مال تھوڑی محنت سے فروخت کر لیتا ہے۔

دست فروش - کسی شخص نے ایک یا دو چیزوں کو ہاتھ پر رکھا اور عام گذرگاہوں پر کھڑا ہو گیا یا گشت لگانی شروع کر دی - باآواز بلند قیمت پکار رہا ہے - خریدار قریب آتا ہے اور مال کی حیثیت وغیرہ دیکھ کر قیمت لگاتا ہے اگر معاملہ ہو گیا تو خیر ورنہ پھر اسی طرح جد و جہد جاری رکھتا ہے اکثر دست فروش استعمال شدہ مال جسکو انگریزی میں سیکنڈ ہینڈ کہتے ہیں زیادہ تر فروخت کرتے ہیں اور کبھی کبھی نیا مال بھی فروخت کے لئے لے آتے ہیں - بسا اوقات ان سے بعض چیزیں ارزاں بھی مل جاتی ہیں - یہ لوگ روسی سماور - قالین - شال - عبا وغیرہ اکثر فروخت کرتے ہیں

کباڑی بازار - پائین خیابان میں بست کے باہر شام کے وقت یہ بازار روزانہ لگتا ہے - سینکڑوں مرد اور عورت مختلف سامان لے کر آتے ہیں اور وہاں بیٹھکر اور چل پھر کر فروخت کرتے ہیں - اس بازار میں زیادہ تر سامان ٹوٹا پھوٹا اور ناقص ہوتا ہے - بعض اوقات اس کباڑی بازار میں عمدہ اور قابل استعمال چیزیں بھی بکنے کو آجاتی ہیں جو اکثر ارزاں ملجاتی ہیں -

فیروزہ فروش - مشہد مقدس فیروزہ کی منڈی ہے اور یہاں فیروزہ کی تجارت خاص طور سے ہوتی ہے کیونکہ نیشاپور جہاں فیروزہ کی کان ہے وہ مشہد سے

قریب ہے۔ گویا فیروزہ نیشاپور میں معدن سے نکلتا ہے اور مشہد میں فروخت ہوتا ہے۔ مشہد میں کئی مقامات ایسے ہیں جہاں فیروزہ سازوں کی پچاسوں دوکانیں ہیں وہ لوگ منوں کی تعداد میں فیروزہ کی کھڑ خریدتے ہیں اور نگینہ تراش کر فروخت کرتے ہیں۔ فیروزہ کی قیمت فی زمانہ بہت گراں ہے۔ عمدہ اور خوشرنگ فیروزہ عدد کے حساب سے فروخت ہوتا ہے اور معمولی اچھا فیروزہ کم از کم بیس روپیہ قیمت کا ہوتا ہے اگر فی الحقیقت اچھا اور خوشرنگ نگینہ ہے تو سو دو سو تک قیمت ہو جاتی ہے ایکسو تومان سے زیادہ قیمت کا فیروزہ میں نے مشہد میں نہیں دیکھا جو واقعی رنگ ڈھنگ اور رنگ کے لحاظ سے فیروزہ کہلانے کا مستحق تھا۔ سنا ہے کہ اگر اچھا اور عمدہ خوشرنگ فیروزہ نکلتا ہے تو وہ سلطنت کا حق ہے۔ معدن سے برآمد ہوتے ہی طہران شاہ کے لئے چلا جاتا ہے۔ معمولی فیروزہ شہر میں ایک وقت میں لاکھوں روپیہ کا خریدا جا سکتا ہے۔ لیکن عمدہ اور خوشرنگ فیروزہ ایک وقت میں مشکل سے کل مشہد مقدس کے فیروزہ نما شوں کے پاس دس بارہ عدد سے زیادہ نہیں مل سکتا ہے۔

قالین۔ ایرانی قالین اپنی عمدگی۔ نفاست اور پائیداری کے لحاظ سے بہت مشہور ہیں جو قالین کہ ہمارے ہندوستان میں ایران سے آتے ہیں وہ کئی جگہ کے ہوتے ہیں اور سب کے سب ایرانی قالین کے نام سے فروخت ہوتے ہیں مثلاً بلوچی، ترکمانی وغیرہ۔ ایران میں بھی کئی قسم کا قالین بنتا ہے جسکی قیمت پانچ روپیہ سے لیکر لکھیدر روپیہ فی مربع گز تک ہوتی ہے اور خاص طور سے آذر

دیتے سے اس سے بھی زیادہ قیمت کا بن سکتا ہے۔ بڑے بڑے شہروں اور علاوہ
قصبوں اور دیہات میں بھی غالیچہ بافی ہوتی ہے۔ مشہد مقدس میں سیکڑوں
قالین فروش ہیں۔ لیکن یوروپین سرمایہ دار یا اُن کے ایجنٹ کل مملکت ایران
میں موجود ہیں جو کاریگروں یا مزدوروں کو پیشگی روپیہ دیتے ہیں اور جبکہ وہ
مال تیار کر کے لاتے ہیں تو بہت ہی کم قیمت پر مال خرید کر لیتے ہیں اور پھر
ساری دنیا میں ایرانی قالین کی تجارت کرتے ہیں۔ ایران میں قالین کی کئی
کروڑ روپیہ سالانہ کی تجارت ہے لیکن اسکا حقیقی فائدہ غیر ممالک کے
سرمایہ دار اٹھاتے ہیں اور غریب ایرانیوں کے حصہ میں بطور اجرت بہت ہی
قلیل رقم آتی ہے۔ قالین فروش اکثر اپنے نئے قالینوں کو بازاروں میں بچھا دیتے
ہیں تاکہ آمد و رفت ہونے کی وجہ سے اُن کے قالین عمدہ اور قیمتی ہو جائیں
ایرانی قالین استعمال کے بعد زیادہ قیمتی سمجھا جاتا ہے اکثر لوگ قالین خرید کر
چند سال استعمال کرتے ہیں اور پھر اپنی خرید کردہ قیمت سے زیادہ پر فروخت
کر لیتے ہیں۔

سامانِ عتیق۔ عرصہ سے پرانے سامان اور قدیم مال کی قدر ہر جگہ ہر شہر میں
ہر مملکت میں ہو گئی ہے۔ کیونکہ یورپ اور امریکہ کے دولتمند خریدار سب جگہ برابر
پہنچتے ہیں اور گران سے گران قیمت پر اس قسم کا مال خرید لیتے ہیں ان کی دیکھا
دیکھی دیسی لوگ بھی ان چیزوں کی قدر کرنے لگے ہیں یہ ہی وجہ ہے کہ اکثر
اوقات اس قسم کے سامان کی قیمت مبالغہ آمیز ہوتی ہے مشہد مقدس میں کئی دکانیں

اس قسم کے سامان کی ہیں جسکو غیر معمولی فائدہ اُٹھانے کی غرض سے روک کھا ہے اور معمولی قیمت پر فروخت نہیں کرتے ان لوگوں کے پاس تقریبًا وہی مال ہو جسطرح کا ہندوستان میں قدیم وکہنہ نایاب چیزیں بیچنے والوں کے پاس ہوتا ہے مثلاً قدیم شال وپارچہ جات قالین اوران کے پھٹے ہوئے ٹکڑے ہرقسم کے قدیم ظروف خواہ شیشہ وچینی کے ہوں یا دھات کے ۔ پرانے ہتھیار ۔ اور سامان جنگ خواہ قدیم ساخت کی ہوں یا کسی تاریخی واقعہ کی وجہ سے اہمیت رکھتے ہوں ۔ زمانہ قدیم کے سکہ ۔ قلمی تصاویر اور خطی قرآن مجید اور دستی کتابیں وغیرہ وغیرہ ایک اصفہانی تلوار کی قیمت میں نے دریافت کی جو چھ سو برس کی پُرانی تھی جس کے پیپلہ پر سنہری حروف میں ایک طرف خط طغرا میں "نصر من اللہ وفتح قریب" اور دوسری سمت ایک شعر اور تاریخ لکھی ہوئی تھی جس سے اسکی قدامت کا پتہ چلتا تھا اسکی قیمت آخری اٹھہزار تومان قرار پائی تھی یعنی تین ہزار روپیہ جسکو میں اس بیش قرار قیمت پر نہ خرید سکا ۔

بلدیہ ۔ ایران کے تمام بڑے بڑے شہروں میں یہ محکمہ موجود ہی گلی کوچوں عام گذرگاہوں اور سڑکوں کی صفائی ہوتی ہے ۔ جھاڑو لگائی جاتی ہے کوڑا کرکٹ جمع کرنے کی غرض سے اکثر محلوں میں اہنی جستی چادر کے بنے ہوئے بڑے بڑے پیپے رکھے ہوئے ہیں ۔ گرمی کے موسم میں چھڑکاؤ بھی ہوتا ہے ۔ لیکن عام طور سے پرائیوٹ چھڑکاؤ کا قاعدہ زیادہ ہے ہر شخص اپنے سکونتی مکان اور دکان کے سامنے دن بھر میں کئی کئی مرتبہ پانی چھڑکتا ہے جس کے باعث اکثر کیچڑ ہو جاتی ہے اور راہ چلنا دشوار ہو جاتا ہے ۔ کیونکہ اکثر گلی کوچوں اور بازار میں پختہ سڑکیں نہیں ہیں

روشنی کے لیے لالٹینیں بھی نصب ہیں۔ تنیکو روشنی بھی ہوتی ہے لیکن انکی تعداد اس قدر کم ہے کہ اکثر متمول لوگ اپنی روشنی لالٹین استعمال کرنے پر مجبور ہوتے غرض ہے سب کچھ۔ لیکن باقاعدہ انتظام کے ماتحت نہیں ہے سنا ہے کہ محکمہ بلدیہ کے ممبر اور ایرانی حکام اس طرف متوجہ ہوئے ہیں۔

شفاخانہ - شہر میں حکومت کی طرف سے شفاخانہ قایم ہے جسکو ایرانی دو حصوں پر منقسم کرتے ہیں ایک حصہ دواخانہ اور دوسرا مریض خانہ کہلاتا ہے۔ ڈاکٹر عام طور سے طہران کے میڈیکل کالج کے تعلیم یافتہ ہیں جہاں فارسی زبان میں ڈاکٹری کی تعلیم ہوتی ہے۔ بعض بعض ڈاکٹر فرانس وجرمن کے بھی سند یافتہ ہیں ایران میں بھی یورپ کے تعلیم یافتہ لوگوں کو ایرانیوں پر ترجیح دی جاتی ہے۔ کئی ڈاکٹر اور حکیم اپنا ذاتی مطب کرتے ہیں۔ متعدد دکانیں انگریزی دوافروشوں اور عطاروں کی ہیں۔ ان سب کے علاوہ غیر ممالک کے قونصل خانوں میں بھی اپنا اپنا شفاخانہ اور ڈاکٹر موجود ہیں۔ ہندوستانی زائرین کو چاہیئے کہ اگر خدانخواستہ انکو کبھی طبی امداد کی ضرورت ہو تو اپنے برٹش قونصل خانہ کے ڈاکٹر سے رجوع کریں جہاں ایک انگریز قونصل سرجن اور دوسرا ہندوستانی اسسٹنٹ سرجن ہے۔ برٹش قونصل خانے کے شفاخانہ میں ڈاکٹر مریض کو بلا فیس لیئے دیکھتا ہی اور دوا بھی مفت دیجاتی ہے خواہ مریض انگریزی رعیت ہو یا غیر کی۔ لیکن اپنے مکان یا قیام گاہ پر بلانے کی فیس قونصل سرجن کے سولہ روپیہ اور اسسٹنٹ سرجن کے چار روپیہ ہیں۔ یا ایرانی سکہ میں اسی رقم کے برابر دینی چاہیئے۔ مشہد مقدس میں امریکن مشن کی طرف سے

بھی ایک زنانہ ہسپتال ہے جہاں کی لیڈی ڈاکٹر بہت ہوشیار اور تجربہ کار ہے
کیونکہ مشہد میں کوئی دوسرا زنانہ شفاخانہ نہیں ہے اس وجہ سے امریکن مشن
کے ہسپتال میں سیکڑوں عورتیں روزانہ جاتی ہیں اور مفت علاج کراتی ہیں۔
بانک شہنشاہی۔ امپیریل بنک آف پرشیا کی شاخیں تمام مملکت ایران
کے شہروں میں موجود ہیں یہ بنک انگریزی حکومت اور انگریزی صرافوں کے ہاتھ
میں ہے ایران میں اس بنک کی بہت بڑی ساکھ ہے اور انتظام بھی عمدہ ہے
مشہد مقدس میں اس بنک کی عمدہ عالیشان پختہ دو منزلہ عمارت ہے۔ جہاں
بنک کا دفتر اور خزانہ رہتا ہے ایرانی فوجی پلٹن کے سپاہی بنک کا شب مسلح
وردی پہنے پہرے پر مقرر ہیں۔ رئیس بانک یعنی منیجر بنک سے لیکر معمولی کلرک تک
سب انگریز یا ارمنی عیسائی ملازم ہیں۔

صرف ترجمان صراف اور چپراسی ایرانی ہیں۔ لاکھوں تومان کا روزانہ
لین دین ہوتا ہے۔ امپیریل بنک آف پرشیا کی ہر شاخ میں ایرانی سکہ جات
اور ایرانی نوٹ کے علاوہ ہر ملک کے سکے اور نوٹ کا چلن ہے۔ بنک کے جنرل
منیجر نے حکومت ایران کے تجربہ غالبہ سے ملکر یہ طے کیا ہے کہ ایک محدود تعداد
نوٹوں کی ہر شہر میں جاری کی جاوے جو اس شہر کی تجارتی ضرورت کو کافی
ہو۔ نوٹ تمام مملکت ایران کے لئے یکساں طبع ہوئے ہیں لیکن اسی قدر
محدود تعداد کے نوٹوں کی پیشانی پر جو جس شہر کے لئے منظور ہو چکے ہیں۔
یہ عبارت لکھی ہوئی ہے مثلاً "فقط در مشہد ادا خواہد شد" اسی طرح دوسرے

شہر کے نوٹوں پر لفظ مشہد کے بجائے اس شہر کا نام لکھا ہے - یہی وجہ ہے
کہ ایک شہر کا نوٹ دوسرے شہر میں نہیں چلتا اور بنک میں بھی دوسرے شہر کا نوٹ
کسی قدر بٹہ یعنی کمی سے لیتے ہیں - زائرین اور سیاحان ایران کو چاہیے کہ حدود
ایران میں داخل ہوتے ہی اپنا روپیہ ایرانی سکہ سے بذریعہ بنک تبدیل کرالیں اور اگر
زیادہ روپیہ ہو تو بنک میں امانت رکھا دیں اور اسکی ہنڈی دوسرے شہر جہاں
جانا ہو وہاں کے بنک کے نام لیں مثلاً ہندوستانی زائرین کو چاہیے کہ دزداب کے
بنک میں اپنا روپیہ داخل کردیں اور مشہد کے بنک کے نام ایرانی سکہ کی ہنڈی
لے لیں مشہد میں پہنچکر جب چاہے اپنی ہنڈی بنک سے وصول کرسکتے ہیں اور اسی
طرح واپسی کے وقت عمل کریں اول تو اپنا زاد راہ محفوظ رہتا ہے اور مسافر بے فکر
دوسرے بنک کی معرفت سکہ تبدیل کرنے میں نقصان کم ہے صراف اور تجار موجودہ
نرخ سے بھی کم پر ایرانی سکہ بدلتے ہیں - ایران میں کسی دوسرے ملک سے روپیہ
منگانے میں بہت دشواری ہے نہ منی آرڈر جاسکتا ہے نہ بذریعہ تار روپیہ وصول ہوسکتا
ہے اگر کسی شخص کو ایران میں اپنے وطن سے روپیہ منگانا ہے تو بس اسی بنک کی
معرفت آسکتا ہے - ہندوستان میں کئی ایسے بنک ہیں جو ممالک غیر کے بنکوں سے
لین دین کرتے ہیں - ان کے ہاں ہندوستان میں روپیہ جمع کرادیا جائے اور
لکھدے کہ یہ روپیہ ملک ایران کے فلاں شہر میں فلاں شخص کو ادا کیا جاوے
اس طرح کرنے سے آپکو روپیہ ایران میں آسانی اور اطمینان سے وصول ہوجائے
گا - ایران میں ہمیشہ بنک کا ڈرافٹ اپنے قونصل جنرل کی معرفت منگانا چاہیے

تاکہ وہاں آپ کو بنک سے وصول کرنے میں وقت نہو یا آپ اگر ایران سے واپس آگئے ہیں تو ایکا روپیہ پھر واپس ہندوستان آجائے غیر ملک میں بنک والے آپ کو نہیں شناخت کر سکتے آپ کا قونصل جنرل آپ کا پاسپورٹ وغیرہ دیکھکر تصدیق کر دیتا ہے کہ یہ وہی شخص ہے کہ جس کے نام روپیہ ہندوستان سے آیا ہے ایسا کرنے سے روپیہ جلد وصول ہوجاتا ہے اور مسافرت میں پریشانی سے جلد نجات ملجاتی ہے تلفون - ایرانی ٹیلیفون کا تلفظ تلفون کرتے ہیں اس لفظ کا بھی ایرانیوں نے کوئی ترجمہ نہیں کیا ہے - کسی قدر تغیر کے ساتھ بجنسہ اپنی زبان میں داخل کر لیا ہے مشہد مقدس میں ٹیلیفون کا سلسلہ قایم ہوگیا ہے امرا حکام اور تجار سب اسکا استعمال کرتے ہیں - لیکن عام طور سے لوگ غریب اور مفلس ہیں اس وجہ سے عام رواج نہیں ہوا اور یہی سبب ہے کہ ٹیلیفون کی سالانہ فیس زیادہ گراں ہے -

پوستہ و تلغراف - مشہد مقدس میں ڈاکخانہ اور تار گھر محلہ ارک میں واقع ہیں - جس کی دو منزلہ خوبصورت شاندار پختہ عمارت انگریزی طرز کی بنی ہوئی ہے - اندرون ملک تار کا سلسلہ ایک شہر سے دوسرے شہر تک پھیلا ہوا ہے اور اکثر مقامات جو سر راہ ہیں جہاں پر بہت تھوڑی سی آبادی ہے - وہاں بھی پولیس کی چوکی اور تار گھر موجود ہے - ایرانی تار گھروں میں ملکی تار صرف فارسی میں قبول کئے جا سکتے ہیں - لیکن غیر ملکی تار، روسی، انگریزی فرنچ جرمن - اطالوی وغیرہ زبانوں میں بھی لئے جا سکتے ہیں مشہد مقدس سے یا ایران

کے کسی حصہ سے ہندوستان کو اگر تار دیا جائے تو فی لفظ ایک روپیہ چار آنہ محصول لیتے ہیں
اکثر شہروں سے ڈاک ہفتہ وار روانہ ہوتی ہے بعض مقامات پر بذریعہ ہوائی
جہاز ڈاک جاتی ہے اور اکثر مقامات پر بذریعہ موٹر اور بعض مقامات پر بذریعہ
خچر یا اونٹ ڈاک آتی جاتی ہے۔ مشہد مقدس سے ہندوستان ایک ماہ سے کچھ
زیادہ عرصہ میں خط وصول ہوتا ہے۔ اور ایران اپنی اور ترقیوں کے ساتھ ساتھ
محکمہ تار و ڈاک کے متعلق بھی جلد جلد ترقی کر رہا ہے۔ طہران یا دیگر شہروں سے مشہد تک
وائرلس ٹیلیگراف بھی قائم ہو چکا ہے جو غالباً ابھی تک فوجی اور سرکاری ضرورتوں
کے لئے مخصوص ہو۔

اخبارات ۔ مشہد مقدس سے کئی اخبار شائع ہوتے ہیں جو سب کے سب ہفتہ
وار ہیں کوئی پرچہ روزنامہ نہیں ہے۔ البتہ طہران یا دوسرے بڑے شہروں سے
روزانہ اخبار بھی نکلتے ہیں۔ مشہد کے اخبارات سب فارسی زبان کے ہیں جو عموماً
ٹائپ کے حروف میں چھاپے جاتے ہیں۔ یہاں لیتھو پریس کا رواج بالکل نہیں
ہے۔ اخبارات عام طور سے سفید اور اوسط درجہ کے کاغذ پر چھپتے ہیں۔ چند سال
سے اخبارات کو ہر قسم کی آزادی حاصل ہے اور ایڈیٹران ایمانداری سے ہر معاملہ پر
رائے زنی کرتے ہیں خواہ وہ معاملہ ملکی ہو یا غیر ملکی۔ اشتہارات بھی ان ایرانی
اخباروں میں چھپتے ہیں نہ ہمارے ہندوستان جیسے مخرب اخلاق اشتہار جو صرف
نامردی اور قوت باہ کی دواؤں یا عدالتی سمنوں تک محدود ہوتے ہیں۔ مشہد
مقدس کے موجودہ اخبارات حسب ذیل ہیں۔ خورشید۔ آفتاب مشرق۔ صدائے

شرق - فتح اسلام - صائقہ شرق - نسیم شمال وغیرہ -

قہوہ خانہ - ملک ایران میں قہوہ خانہ کا وہ زور نہیں ہے جو عراق عرب میں ہے مشہد مقدس میں یوں تو سینکڑوں چھوٹے چھوٹے قہوہ خانے ہیں جہاں صرف چائے وحقہ مل سکتا ہے یا تو معمولی دوکان میں پانچ سات آدمیوں کی جگہ ہے جسکو قہوہ خانہ بنا رکھا ہے یا ہر دو خیابان میں لب نہر فرش بچھا دیا ہے جسپر عام طور سے دیہاتی اور غربا بیٹھکر حقہ و چاء پیتے ہیں - ایران میں قہوہ پینے کا رواج بہت کم ہے صرف امرا کے یہاں بڑی دعوتوں میں قہوہ تیار کیا جاتا ہے ہاں البتہ مشہد میں دو قہوہ خانہ اچھے اور عمدہ ہیں جہاں امرا اور اعیان واشراف جا سکتے ہیں - ایک مقبرہ باغ نادری میں - دوسرا قہوہ خانہ باغ ملی میں ہے ان قہوہ خانوں میں چھوٹی چھوٹی میزیں لگی ہیں جن پر سفید میز پوش پڑے ہیں گرد چار چار کرسیاں رکھی ہیں - عمدہ صاف وشفاف باغ کی روشوں پر یا سرسبز گھاس کے لان پر یہ قہوہ خانہ جاری ہے - یہاں چائے - ایس کریم - سوڈا - حقہ اور کئی قسم کے شربت تیار ہیں جو مزاج چاہے کھاؤ پیو - یہ قہوہ خانے عام گذر گاہوں سے کچھ دور ہیں جہاں ہر راہ رو کی نظر نہیں پڑتی - سر راہ عام طور سے ایرانیوں میں کچھ کھانا - پینا معیوب سمجھا جاتا ہے -

چانڈو خانہ - آج سے تین چار سال قبل ایران میں چانڈو خانے بکثرت تھے عموماً مرد وعورت چانڈو باز اور افیونی ہوتے تھے جسکی مضرت عام طور پر ان کے مرجھائے ہوئے چہروں سے ظاہر ہوتی تھی خدا بھلا کرے موجودہ شہنشاہ رضا شاہ

پہلوی خلد اللہ ملکہ کا کہ جسنے بذریعہ ایک قانون کے حکماً ان لوگوں کی یہ عادت بد
چھڑائی ہے گو اب ملک میں کوئی چانڈو خانہ قانوناً باقی نہیں رہا۔ لیکن کہنہ مشق
پیرسغاں یک لخت اس عادت کو نہیں چھوڑ سکتے وہ لوگ اب بھی دبک چھپ کر اپنے
گھروں میں پیتے ہیں۔ لیکن اگر حکومت کے کسی اہلکار۔ یا پولس کو علم ہو جائے تو
اسطرح اسکو سزا دیجاتی ہے جس طرح ہندوستان میں آوارہ گرد مخمور شرابی کو اکثر
لوگ اب چانڈو کے بجائے صرف افیون پر اکتفا کرتے ہیں اور افیون کو چانڈو
کا لنعم البدل سمجھتے ہیں۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ بھی کم ہو جائیگی۔ کیونکہ گورنمنٹ ایران
نے افیون کی ترک کاشت کے متعلق بھی حال میں ایک قانون نافذ کر دیا ہے

مقبرہ نادری۔ نادر شاہ افشار کا مقبرہ محلہ بالائے خیابان میں لب
سڑک ایک وسیع اور خوبصورت باغ میں واقع ہے اس باغ کی چہار دیواری
کا جنگلہ پرانی توڑے دار بندوقیں لگا کر بنایا گیا ہے جس سے نادر شاہ کی
فوجی قوت و جبروت کا پتہ چلتا ہے۔ مقبرہ کی عمارت مرور زمانہ سے خراب
ہو گئی تھی۔ جسکو ابھی حال میں حکومت ایران نے آثار قدیمہ میں لے لیا ہے اور
کئی ہزار تومان کے خرچ سے مقبرہ کی مرمت کرائی ہے۔ مقبرے کے کمروں
میں ایک چھوٹی سی پبلک لائبریری اور ریڈنگ روم ہے جہاں کئی سو کتابیں قرینہ
سے الماریوں میں رکھی ہیں اور متعدد ایرانی اور غیر ملکی اخبارات آتے ہیں۔ اکثر
شائقین علوم یہاں آکر اپنے اپنے مذاق کے موافق مطالعہ کتب و اخبار میں مصروف
رہتے ہیں۔ یہ کتب خانہ ایک کمیٹی کی سپرد ہے جس کے سرگرم ممبر برابر اس کی

ترقی کی کوشش کر رہے ہیں۔

باغ ملی - برٹش قونصل خانہ کے بالمقابل محلہ ارک میں واقع ہے - یہ باغ ہندوستانی کمپنی باغ یا پارک کی حیثیت رکھتا ہے عورت اور مرد اور بچہ تمام دن اس باغ میں سیر و تفریح کرتے پھرتے ہیں شام کے وقت مجمع زیادہ ہو جاتا ہے - جابجا بیٹھنے کے لئے بنچیں بچھی ہیں - صاف و کشادہ سڑکیں ہیں - سرسبز مخملی گھاس کے لان - اونچے اونچے گھنے سایہ دار درخت - رنگ برنگ کے خوشنما پھولوں کی کیاریاں - نہریں جاری ہیں - حوض چھلک رہے ہیں - فوارے چھوٹ رہے ہیں یہ سب چیزیں ملکر عجیب لطف وسماں پیدا کرتی ہیں - ہفتہ میں ایک دن شام کے وقت فوجی بینڈ بجتا ہے - اس باغ میں ایرانی عورتیں اس کثرت سے آنے لگی تھیں کہ حکومت کو مجبور ہو کر حکماً منع کرنا پڑا جب سے اس باغ میں وہ رونق اور چہل پہل باقی نہیں رہی - پھر بھی مشہد مقدس میں یہ باغ سیر و تفریح کے لئے سب سے اچھی جگہ خیال کی جاتی ہے۔

صنعت و حرفت - یوں تو مشہد میں کئی چیزیں عمدہ بنتی ہیں اُن میں سے بعض کا یہاں تذکرہ کرنا مقصود ہے اول پارچہ بافی ہے سوتی اونی اور ریشمی ہر قسم اور مختلف وضع کا بنایا جاتا ہے ایران میں ریشم بکثرت پیدا ہوتا ہے - مشہد اور اسکے نواح میں ریشم سازی کے کئی کارخانے ہیں - ریشمی کناویز یا دریائی رومال اور سرنبج یعنی مشہدی لنگی بہت مشہور چیزیں ہیں جس کے اطراف و جوانب میں کئی لاکھ تومان سالانہ کی تجارت ہوتی ہے قیمت نفاست اور صفائی میں ہندوستان کے لاہور اور ملتان وغیرہ کی دریائی سے اچھا اور عمدہ ہوتا ہے

اونی کپڑوں میں برک کا نمبر ہے جو کئی قسم کا بنتا ہے علاوہ نرم اور گرم ہونے کے پائیدار بہت ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ کئی قسم کے سوتی کپڑے بنتے ہیں جو صرف اسی ملک میں کام آتے ہیں۔ مشہد کے قریب ایک قسم کا نرم پتھر نکلتا ہے جسکو سنگ آسیہ کہتے ہیں جس کے مختلف قسم کے ظروف بنائے جاتے ہیں۔ مثلاً ہانڈی۔ پیالہ رکابی۔ کٹورہ۔ گلدان۔ گلاس وغیرہ وغیرہ۔

موسم۔ یہاں بھی قدرت نے سال کو چار موسموں پر تقسیم کیا ہے یعنی بہار۔ تابستان پائیز۔ زمستان۔ ایرانی سال نوروز سے شروع ہوتا ہے۔ انگریزی مہینوں پر موسم کو اس طرح تقسیم کر سکتے ہیں

(بہار)۔ مارچ۔ اپریل۔ (تابستان)۔ مئی۔ جون۔ جولائی۔ اگست (پائیز) ستمبر اکتوبر (زمستان) نومبر۔ دسمبر۔ جنوری۔ فروری۔ بہار میں تمام درختوں کی پتیاں نکلتی ہیں۔ شگوفے پھوٹتے ہیں۔ سردی رخصت ہو جاتی ہے اعتدال کا خوشگوار موسم آجاتا ہے۔

تابستان اس زمانہ میں گرمی شروع ہو جاتی ہے غلہ کی فصلیں تیار ہوتی ہیں میوے پختہ ہو کر فروخت کے لئے بازاروں میں آجاتے ہیں اکثر لوگ گرمی کی شکایت کرتے ہیں اور گرم سیر حصوں میں گرمی سے تکلیف اٹھاتے ہیں۔ لیکن مشہد مقدس سطح سمندر سے تین ہزار فٹ سے زیادہ بلند ہے یہاں نسبتاً کم گرمی ہوتی ہے۔ سایہ میں ہوا ٹھنڈی اور خوشگوار آتی ہے پنکھے کی دن میں بھی کبھی ضرورت نہیں ہوتی پانی ٹھنڈا ہوتا ہے خشکو ہوادار مکانوں میں

کمرے کے کواڑ کھول کر سو سکتے ہیں۔

پائیز ۔ گرمیاں ختم ہوئیں۔ موسم اعتدال پر آگیا۔ صبح و شام کی خنکی ہونے لگی بقیہ میوہ توڑ کر مکانوں اور دوکانوں میں احتیاط سے موسم سرما کے لئے ذخیرہ کر لیا مویشی اور دیگر جانوروں کے لئے گھاس و بھوسہ وغیرہ جمع کر لیتے ہیں آخر زمانہ میں گیہوں ۔ اور جو کی فصل کاشت کر دیتے ہیں۔ جو اسی موسم میں نکل آتے ہیں

زمستان ۔ ہوائیں سرد چلنے لگیں۔ برف باری شروع ہوگئی ۔ تقریباً تمام لوگ خانہ نشین ہیں۔ ضروری کام کی خاطر مجبوری گھر سے باہر نکلنا پڑتا ہے تو پوستین اور برف کش عبائیں پہنے ہوئے۔ ہاتھ پاؤں ٹھٹھرے جاتے ہیں۔ صبح کی نماز کے وقت وضو کا پانی ڈاڑھی ۔ مونچھوں میں برف بنکر جم جاتا ہے ۔ درختوں کے تمام پتے برف سے جل گئے۔ عریاں درخت کھڑے برف باری کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ کھیتوں میں جو ۔ گندم اور جو کے کلے نکلے تھے وہ برف کے نیچے دب گئے جب کبھی موسم بہار میں برف پگھلے گی۔ تب کہیں جا کر نکلیں گے اس وقت کھیتوں میں نشو و نمو شروع ہوگی ۔

ہندوستانی زائرین کو چاہیئے کہ مشہد مقدس کا سفر مارچ سے اکتوبر تک ختم کر لیا کریں۔ موسم سرما یہاں کا بہت تکلیف دہ ہے ہم ہندوستانی اس سردی اور برف باری کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہیں ممکن ہے بعض ضعیف العمر اور ضعیف القویٰ ہلاک بھی ہو جائیں

مشہد کا محرم

قمری سال کے ختم پر جب محرم کا چاند آسمان پر دکھائی دیتا ہے اس وقت سے
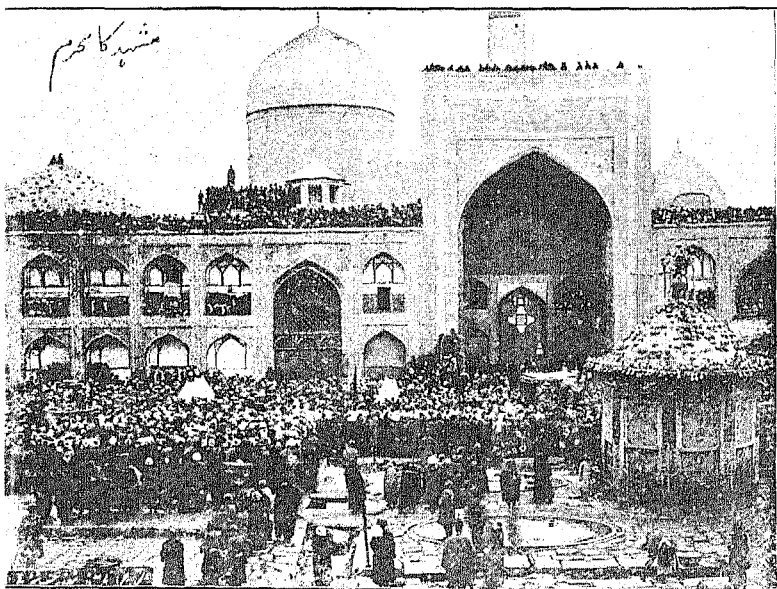
''روز عاشورہ حرم رضوی میں ماتمی دستوں کا ہجوم''

عزاداری شروع ہوتی ہے۔ تمام خوشیاں او عیش و عشرت کے سامان کا خاتمہ
ہو گیا۔ سوگواری کے اسباب و علامات ظاہر ہونے لگے۔ حرم کے گلدستہ کی صبح کی مناقب
اور پانچوں وقت کی نوبت موقوف ہو گئی۔ گنبد مقدس سے سرخ جھنڈا اتار لیا گیا
اور اسکے بجائے سیاہ ماتمی بیرق لگادی۔ ضریح مقدس پر بھی سیاہ غلاف چڑھا دیا
اور حرم کے دوسرے حصوں میں بھی سیاہ چادریں لٹکادی گئیں۔ ہر شخص سر سے
پاؤں تک سیاہ لباس میں ملبوس ہے۔ یہانتک کہ ٹائی اور رومال بھی سیاہ ہیں
غرض دنیا سیاہ پوش ہے جو فرش و قالین پر بھی جوتوں سے چلتے تھے۔ اب پتھروں
پر ننگے پاؤں جا رہے ہیں گریبان کھلا ہے چہروں سے حزن و ملال کے آثار ظاہر
ہیں مختلف اقوام نے اپنے اپنے تکیوں (عزاخانہ) میں مجالس عزا بپا کردی ہیں۔
حرم اور مسجد گوہر شاد میں بھی مجالس کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ہر جگہ روضہ خوانی
ہوتی ہے۔ زن و مرد گریہ وزاری کرتے ہیں۔ ہر فرقے نے اپنی اپنی بساط کے
موافق عزاداری جاری کر رکھی ہے۔ سبحان اللہ روضہ مقدس کی بھی کیا شان ہے
حرم اور صحن مبارک شب و روز زوّاروں سے پُر ہے۔ ہزاروں آدمی ہر وقت زیارت
و نماز و دعا و گریہ وزاری میں مصروف ہیں اور ہزاروں ہر وقت آتے اور جاتے ہیں
کتب خانے شائقین علوم سے پُر ہیں۔ قرآن خوانی میں بیسیوں علما ر شاگردان
اور دوسرے لوگ مشغول ہیں۔ فقرا کے لیے مہمان خانہ شب و روز کھلا ہے روضہ
مقدس محرم میں کسی وقت بند نہیں ہوتا اور صحن اقدس اور مسجد گوہر شاد میں چوبیسوں
گھنٹے ہزاروں آدمیوں کا مجمع رہتا ہے۔ کیوں نہ ہو مرجع خاص و عام ہے بالخصوص

محرم میں صحن مبارک زیارت کے قابل ہے۔ دوکانیں کم از کم ایک عشرہ کے لیے بند ہو جاتی ہیں اور دوکاندار مجلسوں اور ماتمی حلقوں میں شریک ہوتے ہیں مختلف لوگ بالخصوص بچے سقے بنتے ہیں۔ سر و پا برہنہ۔ سیاہ لباس۔ ہاتھ میں لکڑی یا پیتل تانبے کی کشکول اوس میں پانی یا شربت اور پانی میں برف اور کچھ پھول اور ایک خوشرنگ سیب ڈالے بازار گلی کوچہ اور صحن حرم میں پھر رہے ہیں اور پانی پینے والے پیاسوں کی تلاش میں ہیں جس نے انکی طرف غور سے دیکھا وہ سمجھے کہ پیاسا ہے فوراً اسکی طرف کشکول پیش کر دی بسا اوقات صحن اقدس میں اسقدر ہجوم ہوتا ہے کہ راستہ چلنا مشکل ہو جاتا ہے کہیں کوئی شخص کھڑا نہایت درد انگیز لہجہ میں مرثیہ پڑھ رہا ہے اور کہیں کوئی حافظ بیٹھا تلاوت قرآن نہایت خوش الحان طریقہ سے کر رہا ہے گداگروں کا بھی ہجوم ہے جو اپنی حالت زار مختلف طریقوں میں پیش کر رہے ہیں۔ شہر میں ہر گلی کوچہ میں مجالس ہوتی ہیں۔ رات دن متواتر روضہ خوانی، ماتم داری، سینہ کوبی، گریہ و زاری آہ و بکا کی آوازیں آتی ہیں۔ مشہد مقدس میں تقریباً سو تکیہ ہیں جہاں مختلف گروہ مومنین جمع ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے اپنے تکیوں کی دیواروں پر سیاہ چادریں اور قالین لٹکاتے ہیں۔ اور عمدہ عمدہ قالینوں کا فرش کرتے ہیں۔ اکثر تکیوں میں ایک بڑا دو چوبہ خیمہ نصب کرتے ہیں اور اکثر شامیانہ لگاتے ہیں جس کے نیچے مجلس ہوتی ہے۔ مجلس شروع ہونے سے قبل اور ختم مجلس پر چائے۔ سگرٹ۔ حقہ وغیرہ پیش کرتے ہیں۔ اکثر تکیوں میں عورتیں منبر کے سامنے وسط میں بیٹھی ہیں اور مرد ان کے گرد حلقہ کرکے بیٹھتے ہیں۔ ذاکر و واعظ باری باری سے منبر پر جا کر واقعات کربلا

بیان کرتے ہیں۔ معمولی ذاکر دس سے پندرہ منٹ تک پڑھتا ہے۔ اور اکثر
ذاکرین ہندوستان کی طرح غیر صحیح روایات بھی پڑھ دیتے ہیں جو بغرض بکا انھوں
نے جائز کر رکھی ہیں۔ باوجود کثرت مجالس کے ہر مجلس بلحاظ گریہ کامیاب ہوتی ہے
خصوصاً عورتیں بہت آہ و بکا کرتی ہیں جس سے کہ مردوں کو بھی جوش گریہ ہوتا
ہے۔ بعد ختم مجالس اپنے اپنے تکیوں سے ماتم کنندگان کے دستے قبل دوپہر
کوچہ و بازار میں سے گذر کر ماتم کرتے ہوئے صحن اقدس میں آتے ہیں۔ اور
وہاں ضریح مبارک کے محاذ میں کھڑے ہو کر ماتم کر کے واپس چلے جاتے ہیں۔
یہ دستے ساٹھ، ستر یا سو آدمیوں کے ہوتے ہیں۔ جو ننگے سر پا برہنہ۔ سر پر خاک
اور بھوسہ ڈالے ماتم کرتے ہوئے آہستہ آہستہ صحن کی طرف حرکت کرتے ہیں
راستہ میں چالیس پچاس قدم پر ٹھیر کر نوحہ خوانی ہوتی ہے۔ نوحہ خوان کی
آواز پر ایک ہی وقت میں سب اپنے ہاتھوں کو زور کے ساتھ سینوں پر مارتے
ہیں۔ پچاس یا سو انسانوں کے اس طرح ماتم کرنے سے جو آواز نکلتی ہے۔ تو بلا
تشبیہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مشین چل رہی ہے یا سڑک کوٹنے کی آواز ہے۔ ماتمی اپنے
سینوں سے کپڑا جدا کر دیتے ہیں۔ یا کمر تک برہنہ ہوتے ہیں۔ ماتم کرتے کرتے ان
کا سینہ سرخ ہو جاتا ہے اور خون جھلکنے لگتا ہے۔ بسا اوقات سینہ شگافتہ ہو کر
خون جاری ہو جاتا ہے۔ نوحہ خوان جو ایک اسٹول پر کھڑے ہو کر ماتم کرتا ہے
اپنی آواز کے اتار چڑھاؤ سے ماتمی لوگوں میں جوش و ولولہ پیدا کرتا ہے۔ جو اسکے
اختیار میں ہے۔ ہر دستے میں چھوٹے بچے سات آٹھ سال کی عمر سے شروع ہو کر

بتدریج جوان اور بوڑھے سب شریک ہوتے ہیں۔ دستوں کے شروع میں کچھ لوگ لمبے سیاہ علم لئے ہیں جن پر شیر خورشید کی تصویریں نوشتے۔ اور روضوں کے مرقعے ریشم اور زری کے کام کے نہایت خوبصورت بنے ہیں۔ علم ستہ گوشہ کپڑے کا بنا ہوتا ہے اور ہر دو علم کا آخری مثلثی گوشہ چوڑا اور پھر دو ملی شکل کا بن جاتا ہے۔ اس طرح دو، دو بچے متعدد علم اٹھائے آگے آگے جا رہے ہیں۔ ان کے بعد اور مختلف قسم کے علم ہوتے ہیں۔ سینہ زنوں کے بہت سی دستے اول محرم سے عاشور تک برابر ماتم کرتے ہوئے حرم اقدس میں آتے ہیں ایک دستہ سو سوا سو آدمیوں کا زنجیروں کا ماتم کرتا ہے۔ آگے آگے بچے ہیں ان کے بعد نوجوانوں کا گروہ ہے۔ اوپر کا نصف دھڑ برہنہ ہے۔ ٹخنوں تک لمبا کمر پر چست۔ نیچے ڈھیلا سیاہ لباس ہے (جو خاص طور سے ماتم ہی کے لئے تیار کراتے ہیں۔ پشت وسینہ پر کھلا ہے۔ سر سے ننگے ہیں۔ پاؤں برہنہ۔ کیچڑ دخاک منہ پر ملے سر پر بھوسہ ڈالے۔ آمنے سامنے دو قطاروں میں کھڑے ہو کر زنجیروں کو اپنی پشت پر مارتے ہیں (یہ تقریباً سیر بھر زنجیروں کا ایک گچھا ہے جو لکڑی یا پیتل کے دستے میں جڑا ہے) اس دستہ میں بھی ایک شخص اسٹول پر کھڑے ہو کر نوحہ پڑھتا ہے اور جس لَے سے وہ پڑھتا ہے اور جس تال سے اپنا ہاتھ ہلاتا ہے۔ اسی تال پر ماتم کرنے والے اپنی زنجیروں کے گچھے کو ہلا کر پشت پر مارتے ہیں۔ زنجیروں کی جھنکار اور چوٹ لگنے کی آواز مل کر عجیب سماں پیدا کرتی ہے کہ دیکھنے اور سننے والوں کو جوشِ گریہ ہوتا ہے اور مرد و زن آہ

بجا کرتے ہیں۔ ماتمیوں کی پشت پر نیل پڑ جاتے ہیں۔ زخمی ہو کر خون بہنے لگتا ہے۔ پانچ چھ منٹ یہ دستہ ماتم کرکے آگے چلتا ہے اور اسی طرح زنجیروں سے ماتم کناں صحنِ حرم میں ہو کر اپنے تکیہ کو واپس چلا جاتا ہے۔

۹ محرم کی شام کو حرم میں ایک بڑا دربار ہوتا ہے تمام اعیان و اشراف حکام اور خدامانِ آستانۂ رضویہ مدعو ہوتے ہیں۔ صدر مقام پر امام علی ابن موسیٰ رضا علیہ السلام کی ایک بڑی تصویر رکھی جاتی ہے۔ ہر شخص اپنے اپنے رتبہ کے موافق حلقہ باندھ کر بیٹھتا ہے جب سب لوگ جمع ہو جاتے ہیں تو متولی باشی امام علیہ السلام کی تصویر سے نقاب یا پردہ اٹھاتا ہے سب لوگ سروقد تعظیماً کھڑے ہو جاتے ہیں اور ایک خطیب بلند آواز سے خطبہ پڑھتا ہے۔ خطبہ ختم ہونے کے بعد تصویر پر پھر پردہ ڈال دیتے ہیں شیرینی اور چار تقسیم ہوتی ہے اس رسم کو ایرانی اور خدام سلامی کہتے ہیں۔ شب عاشور سے تمام بازار بند ہو جاتے ہیں۔ اور مکمل ہڑتال ہوتی ہے۔ سوائے خورد و نوش کی چند دکانوں کے کہ وہ بھی چکا تا کھلی رہتی ہیں۔ عاشور کی شب کو گیارہ بجے صحن کہنہ میں بہت بڑا ہجوم ہوتا ہے اور حکام و خدام سب جمع ہوتے ہیں صحن کے دروازہ بند کر دیے جاتے ہیں سب کے ہاتھوں میں ایک ایک روشن شمع ہوتی ہے جو دور دیہ صف بستہ صحن کے چاروں طرف کھڑے ہوتے ہیں۔ اُن کے درمیان گورنر خراسان مع دیگر افسران اور متولی باشی دیگر خدامان کے ہاتھوں میں روشن شمع لے کر طواف کرتے ہیں۔ یہ مجمع طواف کرکے سقفہ خانہ نادری کے محاذ میں مؤدب

کھڑا ہو جاتا ہے۔ پھر ایک خطیب سقہ خانہ نادری کے طلائے گنبد پر چڑھ کر بلند
آواز سے نہایت فصیح و بلیغ ایک خطبہ پڑھتا ہے۔ سب لوگ خاموش سنتے ہیں
خطبہ ختم ہونے کے بعد جملہ حاضرین قاتلان و دشمنان شہدا پر لعنت ملامت کرتے
ہیں۔ اور پھر تمام شمع گل کر دیجاتی ہیں اور مجمع برخاست ہو جاتا ہے۔ روز عاشورا
دس بجے دن سے صحن حرم میں ماتمی دستے آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ دستی پولیس
اور فوجی انتظام کے ماتحت باری باری سے صحن حرم میں داخل ہو کر ماتم کرتے ہوئے
دوسرے دروازے سے نکل جاتے ہیں۔ روز عاشورا کئی دستے قمع سے ماتم کرنے
والوں کے اپنے اپنے تکیوں سے صحن حرم میں آتے ہیں جنھوں نے اپنے لباس کے اوپر سفید
کفنیاں پہنی ہیں۔ سر منڈے ہیں۔ آمنے سامنے دو طرفہ قطار باندھ کر کھڑے
ہیں ہر ایک کے ہاتھ میں لمبی چھری۔ قمع یا تلوار ہے۔ نوحہ خواں کی آواز کے ساتھ
ایک ہی وقت میں ہر ایک قمع کو اپنے سر پر مارتا ہے۔ خون سر سے پاؤں تک ٹپک
رہا ہے۔ کفنیاں لہو لہان ہو کر سرخ ہو گئی ہیں۔ دیکھنے والے اس خونی منظر
کو دیکھ کر گریہ و بکا کرتے ہیں اور بعض رقیق القلب حضرات تو اسقدر خون دیکھ
بیہوش ہو جاتے ہیں ہر دو صف کے درمیان متعدد اشخاص کھڑے ہیں جن کے
ہاتھوں میں لکڑی ہے اور رومال ہیں۔ جہاں انھوں نے کسی کا ہاتھ بیہوشانہ
اور سخت پڑتا دیکھا اور زیادہ نقصان کا احتمال ہوا تو لکڑی سے شمشیر کے صدمہ
کے مزاحم ہو کر سر پر لگنے سے روکتے جاتے ہیں۔ دو طرفہ زن و مرد سر راہ کوٹھوں
بالاخانوں یا حرم کے غرفوں پر بیٹھے ہوئے آہ و زاری کی آواز سے ان کے ماتم

کرنے کی داد دیتے ہیں۔ بالاخانوں سے اکثر زن و مرد رومال نیچے گرا رہے ہیں۔ کہ
ماتمیوں کے چہروں سے خون پاک کیا جائے۔ ڈاکٹر اور ادویہ ہر دستے کے ساتھ ہے
جہاں کوئی بیہوش اور کمزور ہوا فوراً ہسپتال پہنچایا جاتا ہے۔ یہاں اکثر زن و مرد
یہ منت کرتے ہیں کہ اگر خداوند کریم بطفیل ائمہؑ ہمکو فرزند نرینہ عطا فرمائے تو ہم اسکو قمع
کے ماتم کرنے والوں کے دستہ میں شریک کریں گے۔ چنانچہ ایک عورت اسی قبیل کی
منت کرنیوالوں میں سے آئی اسکی گود میں کوئی سال ڈیڑھ سال کا بچہ تھا ضریح
کے محاذ میں کھڑے ہو کر اُسنے بغل سے ایک چھری نکالی اور بچہ کی پیشانی کو اوپر چار پانچ
چھری سے زخم لگائے۔ بچہ تلملا کر رو دیا اور اسکی پیشانی سے خون جاری ہو گیا۔
خوش اعتقاد ماں نے اپنے بچہ کو صحن حرم کے برنجی کٹھرے سے تبرکاً مس کیا اور بوسہ
دے کر خوشی خوشی اپنے گھر چلی گئی۔ ہر فرقہ اپنا اپنا دستہ نئی شان سے لیکر نکلتا ہے
عاشور کو مختلف دستے مثل طہرانیوں کا۔ یزدیوں کا۔ کرمانیوں کا۔ آذربائیجانیوں کا
قفقازی ترکوں کا۔ کرہ باغی ترکوں کا۔ سادات کا۔ تجار کا۔ اخوان کا۔ قصابوں کا
فقرا کا۔ نانبائیوں کا۔ علیٰ ہذا القیاس بہت سارے دستے یکے بعد دیگرے صحن
حرم میں آتے ہیں اور ماتم کناں اپنے تکیوں کو واپس چلے جاتے ہیں۔ ہر دستے
کے ساتھ متعدد علم اور شبیہیں ہوتی ہیں۔ مثلاً چار فٹ قطر کا ۵ فٹ اونچا تعزیہ
لکڑی کا بنا ہوا ہے اردگرد مختلف رنگ کے ریشمی رومال اور چادریں ہیں۔ کاغذی
پھول اور فانوس اندر رکھے ہیں۔ یہ ایک شخص اُٹھائے جاتا ہے اس کے بعد متعدد
اشخاص نے صلیب نما علم اُٹھائے ہیں۔ ان پر مختلف قسم کے ریشمی یا کشمیری دل آویز گلوبند

لٹک رہی ہیں جن کے سہارے اٹھانے والا اس علم کو سنبھالے ہوئے ہے
اوپر لوہے کی شمشیر نما باریک تبر کا علم کا پرچم ہے جو چھ فٹ اونچا ہوا ور چار فٹ بلند
دوسرے دو پرچم ہیں جو آگے پیچھے جھولتے ہیں۔ نیچے کی لکڑی میں فانوس چراغ
اور دیگر اشیاء اور ائمہ علیہم السلام کی تصاویر لٹکتی ہیں۔ اور دیگر شتر
مرغ کے بڑے بڑے بیش قیمت پر لگائے ہیں جو ایک نہایت شاندار تاج معلوم
دیتا ہے۔ اس کے بعد چند لوگ گھوڑوں پر سوار ہیں۔ جو حضرت امام حسینؑ، حضرت
عباسؑ، علی اکبرؑ، قاسمؑ، عون و محمدؑ کی شبیہہ بنے ہیں۔ اور اسی طرح کچھ لوگ
شمر، عمر ابن سعد، خولی، وحرملہ وغیرہ ملاعنہ کی شبیہہ بنے ہیں۔ ایرانی اپنا
پارٹ نہایت ہوشیاری اور صفائی سے کرتا ہے یہ قابلیت خدا دادہے۔ شبیہہ
بنانے میں سن و سال کا بہت لحاظ لیا جاتا ہے۔ روایت کے بموجب ایسے ایسے لوگوں
اور بچوں کو تلاش کرتے ہیں۔ جو ان حضرات کے مطابق ہوں جنکی وہ شبیہہ بنتے
ہیں۔ شمر و عمر کی شبیہہ بننے کے لئے اسی قسم کی خونخوار اور درشت شکل و صورت کا
آدمی چنا جاتا ہے۔ خاندانِ رسالت کی شبیہہ صرف سادات جلیل القدر بنتے ہیں
واقعۂ کربلا کے متعلق ہر ضعیف اور مستند روایت کے بموجب شبیہہ بناتے ہیں مثلاً
ایک پالکی نما تخت میں ایک انگریزی لباس پہنے ہوئے ہر چہار طرف اضطراب کے
ساتھ دوربین اٹھا اٹھا کر دیکھتا ہے اور اسکے بعد ایک سر اٹھا کر اپنے رومال سے
گرد و غبار صاف کرتا ہے یہ راہب کی شبیہہ ہے۔ ایک گروہ نوجوان بچوں کا
زرد لباس پہنے مختلف و مہیب اشکال میں پریشان جا رہا ہے یہ غفر جن اور اسکے گروہ کی

شبیہہ ہے - ایک تخت پر عربی سیاہ زنانہ لباس پہنے چہرے پر نقاب ڈالے سر پر
بھوسہ اڑاتا جو توبڑہ سے ایک سر بریدہ نکال کر دیکھتا ہے اور رو رو کر بین کرتا ہے
یہ جناب سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا اور سر امام حسین علیہ السلام کی شبیہہ ہے -
ایک پالکی میں دس گیارہ برس کا لڑکا زنانہ لباس پہنے چہرے پر نقاب ڈالے
کھڑا ہوا گہوارہ جنبانی کر رہا ہے - اور کبھی کبھی گہوارے سے ایک بڑی سی گڑیا اٹھا
کر چاروں طرف نہایت حسرت و یاس سے دکھاتا ہے اور پھر گہوارے میں کھ دیتا ہے
یہ حضرت علی اصغر اور مادر علی اصغر کی شبیہہ ہے - تخت پر ایک شخص بیٹھا گریہ و بکا کرتا
ہے اس کی گود میں ایک سر بریدہ لاش رکھی ہے جو زخموں سے چور چور ہے اور
خون میں لاش تر بتر ہے - حضرت امام حسین علیہ السلام کے لاش علی اکبر پر آنے کی شبیہہ
ہے - تخت پر ایک شخص شیر کی کھال پہنے - سر پر بھوسہ اڑاتا ہوا ہو بہو شیر کی طرح
تیر بنا بیٹھا ہے - اور اس کے قریب ایک لڑکا زنانہ لباس پہنے چہرے پر نقاب ڈالے
کھڑا ہے یہ مشہور روایت شیر و فضہ کی شبیہہ ہے - ایک شخص بدوی عرب کا لباس پہنے
ہتھیار لگائے دو بچوں کو اسیر کر کے لئے جاتا ہے یہ حارث اور پسران مسلم کی
شبیہہ ہے - ایک شخص زرہ بکتر پہنے سر پر خود آہنی نیزہ و شمشیر لگائے ہاتھ میں تازیانہ
اور دوسرے ہاتھ میں ریسمان جس سے چند سیاہ پوش بچے چہروں پر نقاب ڈالے
بندھے ہیں جو ان کو بار بار تازیانہ لگاتا ہے - یہ اسرا اور شمر کی شبیہہ ہے -
ایک تختہ پر سر بریدہ لاش تیر و نیزہ معلق رکھی ہے ایک حبشی بدوی عرب آتا ہے اور اپنے
تیشہ سے لاش کا ہاتھ کاٹ کر لیجاتا ہے - یہ بعد شہادت امام حسین علیہ السلام کی جسبل

اطہرے جمال ملعون کے انگشتری کے لیے ہاتھ کاٹنے کی شبیہہ ہے۔ چند لاشیں سر بریدہ
جنگی لباس پہنے۔ ہتھیار لگائے تختوں پر اٹھا رکھی ہیں منجملہ ان کے ایک لاش دست و سر
بریدہ علم و خشک مشکیزہ کے ہمراہ لے جا رہے ہیں۔ یہ لاشہائے شہدا اور حضرت
عباس علیہ السلام کی لاش کی شبیہہ ہے۔ کچھ لوگ سروں پر متعدد خوان اٹھائے
ہیں جن میں شمع۔ فانوس۔ کنول اور کاغذی پھول مع دیگر سامان سانچق کے
سجایا ہوا ہے یہ حضرت قاسم علیہ السلام کی شادی کے مراسم کی شبیہہ ہے۔ مکلف پالکی
میں ایک شخص امرائے عرب کا لباس پہنے۔ مغرور۔ مسرور۔ مخمور بیٹھا ہے اسکے سامنے
ایک خوبصورت لڑکا صراحی اور جام لیے کھڑا ہے جو جام بھر بھر کر اسکو بار بار دیتا ہے
یہ مخمور سامنے جو ایک طشت میں سر رکھا ہوا ہے اسکی طرف گلاس کو جھٹکتا ہے۔ یہ
شر الجوار یزید اور سر امام حسین علیہ السلام کی شبیہہ ہے۔ بغیر کجاوہ و محمل کے اونٹ کی
ننگی پشت پر ایک شخص سر برہنہ۔ گریباں چاک۔ پیرہن پارہ پارہ طوق و بیڑی
پہنے نہایت ضعیف و لاغر سوار ہے جسکے دونوں پاؤں اونٹ کے شکم سے بندھے ہیں
یہ بیمار کربلا کی شبیہہ ہے۔ چند گھوڑوں کو ذو الجناح کی شبیہہ بناتے ہیں۔
ذو الجناح کی چادر کے اوپر سرخ رنگ کے خونی نشان کر کے ڈالتے ہیں۔ اور چادر
پر ہزاروں تیر لٹک رہے ہیں۔ زین پر صرف عمامہ رکھا ہے۔ کسی پر کوئی سفید کبوتر جس پر
سرخ رنگ کے نشانات ہیں سامنے بیٹھا ہے۔ کسی پر کوئی بچہ زین کے باہر پیچھے بیٹھا
ہے۔ غرضکہ میدانِ کربلا کے سارے واقعات دکھائے جاتے ہیں۔ عاشورہ کا دن
ختم ہونے کے بعد شب گیارہ کو شام غریباں کہتے ہیں۔ کوچہ و بازار و حرم کی تمام

بیرونی روشنیاں گل کردیجاتی ہیں - ایک بڑا دستہ محلہ نوقان سے ماتم کرتا ہوا حرم کو آتا ہے - رات کی تاریکی میں یہ دستہ نہایت خاموشی سے پچاس ساٹھ قدم راہ چلتا ہے اور پھر زمین پر بیٹھکر گریہ وزاری کرتا ہے اسی طرح صحن جدید سے حرم میں داخل ہوتا ہے - اندنوں حرم میں صرف چند شمع روشن ہوتی ہیں - تاریکی اور خاموشی کا عجیب عالم ہوتا ہے - سوائے گریہ وزاری کی مدھم آواز کے کوئی دوسری آواز نہیں آتی جس طرح یہ دستہ بیٹھا ہوا اور ماتم کناں آیا تھا اسی طریقہ سے محلہ سراب کو واپس چلا جاتا ہے یہ ایک ایسا منظر ہے کہ جس کے دیکھنے سے کلیجہ منہ کو آتا ہے اور شام غریباں کا اس شب پر پورا اطلاق ہوتا ہے -

ایرانیوں کا مذہب

اگرچہ ملک کا مذہب شیعہ ہے لیکن جو کشیدگی اکثر ہندوستان کے شیعہ سنیوں کی میں عموماً رہتی ہے وہ یہاں نہیں ہے - ایرانی مذہبی خیال سے نہایت مستقل مزاج ہیں مذہب مایۂ تکلیف نہیں - مذہب کو اگر سررشتۂ زندگی قرار دیا جاسکتا ہے تو وہ ایک ہی مذہب شیعہ ہے - گو ایران میں مختلف اقوام ہیں مثل یہودی، ارمنی، روسی گبر (پارسی) عرب، ترک وغیرہ - لیکن ایرانی بے تعصب قوم ہے - کسی کے مذہب میں دخل نہیں دیتے اور نہ اپنے مذہب کا دخل ہر بات میں دیتے ہیں - لباس پر ہندوستانی رہبران دین کی طرح کوئی نکتہ چینی نہیں ہوتی - ہاں یوروپین ٹوپی پر اعتراض ہے قومی وسیاسی ضرورت کو مدنظر رکھکر کبھی کبھی غیر ممالک کی شکر وتمباکو کے استعمال کے

خلاف حکم دیدیتے ہیں۔ غرضکہ ایران میں مجتہدین جو چاہتے ہیں کرتے ہیں اور
ضرورت کے لئے کہیں سے حکم شریعت پیدا کر لیتے ہیں۔ سوائے زمانہ حال کی تعلیم یافتہ
اور اعیان یوروپین نما اشخاص کے باقی سب نماز وروزہ کے پابند ہیں مسائل شرعی
خصوصاً مسائل فقہی سے اس قدر زیادہ واقفیت ہے کہ کسی دوسری جگہ کے لوگوں کو
مشکل سے ہوگی۔ جو طاقت ورسوخ علماء ومجتہدین ایران کو رعایا اور عوام کے
دلوں پر حاصل ہے شاید ہی کسی دوسرے ملک میں ہوگا۔ اگرچہ قانون ملکی
موجود ہے لیکن شرعی قانون فائق ہے۔ مجتہدین جو حکم اپنے اجتہاد سے مرقوم
فرماتے ہیں وہی مانا جاتا ہے۔ مذہب کی ظاہری صورت ہر حال میں مکمل طور سے
برتی جاتی ہے۔ عورتیں اگر منہ کھولے پھریں تو حکم شریعت کا فتویٰ اور پولیس (افسران
وکانسٹبل) فوراً اُن کے سر پر موجود ہوتا ہے۔ مذہب کی رُو سے علاوہ علماء و
مجتہدین کے بہترین طبقہ چھوٹے درجہ کے اَن پڑھ لوگ اور دیہاتی زمیندار جو شہریت
کی برائیوں سے دُور کھلی اور صاف ہوا میں رہتے ہیں اور قدرت کے منظر کو ہمیشہ
سامنے دیکھتے ہیں وہ لوگ ہیں۔ طبقۂ اعلیٰ اعیان و تعلیم یافتہ واز یورپ برگشتہ
از خدا برگشتہ ہیں شراب کے ممنوع ہونے کی بابت اُنھوں نے کبھی غور نہیں کیا۔
شام کو رفقا جمع ہوتے ہیں تو وہ تکلف اور دیگر سامانوں کے ساتھ شراب استعمال کرتے
ہیں۔ یا شب کو کھانے سے فارغ ہو کر پیتے ہیں اور اُسکے بعد حوض میں منہ پاک کرتے
ہیں۔ ع "چوں بخلوت میروند آں کارِ دیگر میکنند"۔

موجودہ صورت میں سنیوں یا دیگر مذاہب کے خلاف کوئی خیال نہیں ہے

اگر کوئی بات ہے تو خلفاء کے خلاف ہے۔ حضرت عمر کے قتل کے دن ۹ ربیع الاول کو خوشیاں مناتے ہیں اور عید کرتے ہیں۔ ایرانی چونکہ جناب رسالتمآب اور ائمہ طاہرین سے حد درجہ عقیدت اور محبت رکھتے ہیں اس لئے اُن کا نام سنکر سر جھکا دیتے ہیں اور تعظیماً کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ایرانی لوگ ائمہ کی تصاویر سے اپنے گھروں کو زینت دیتے ہیں اور برکت کے لئے اپنے مکانوں میں اور دوکانوں میں لگاتے ہیں اور معرکہ کربلا کی بھی تصویریں اکثر اُن کے گھروں میں دیکھی ہیں یہ لوگ ان تصویروں کو سچا سمجھتے ہیں اور راسخ الاعتقاد لوگ ان کو بڑے ادب سے رکھتے ہیں۔

ایرانیوں کا لباس

دیہاتی اور متوسط درجہ کے لوگ تو اپنا قدیم لباس ہی اب تک پہنتے ہیں یعنی ڈھیلا ٹخنوں سے اونچا پاجامہ۔ اونچا کم گھیر کا کُرتہ جو انگریزی شرٹ سے زیادہ نیچا نہیں ہوتا ہے۔ یہ لباس خصوصاً موٹے کپڑے کا بنایا جاتا ہے اور عموماً نیلا رنگ لیتے ہیں ایرانی کوٹ ٹرکش کوٹ سے ملتا جلتا ہے جس کے پچھلے حصہ میں کمر کے پاس چنٹ ڈالتے ہیں اور ایرانی اس کوٹ کو کمر چین کہتے ہیں۔ تعلیم یافتہ اور شہری لوگوں نے اس چنٹ کو پلیٹوں سے بدل لیا ہے۔ دیہاتی لوگ عموماً ٹوپی نمدہ کی پہنتے جسکی کئی مختلف صورتیں ہوتی ہیں جو تھوڑے سے تغیر سے پیدا ہو جاتی ہیں دیہاتی ٹوپیاں سیاہ سفید۔ خاکستری اور شتری رنگ کے استعمال کرتے ہیں سردی اور برفباری کے زمانہ میں دیہاتی بھی دنبہ کی کھال کے کم قیمت پشمین

عام طور پر پہنتے ہیں۔
شرفائے شہر اور دوسرے متمول لوگ بہت صاف ستھرے اور قیمتی کپڑے پہنتے ہیں۔ بیچا کرتہ۔ سیدھا اور آرام دہ پاجامہ۔ صدری اور اسکے اوپر قبا اور آب دست دوش پر عبا۔ سر پر چھوٹا عمامہ یا مشہور ایرانی ٹوپی جس کا رواج ہندوستان میں بھی ہے لیکن امرائے ایران اور دولتمند لوگ انگریزی لباس استعمال کرتے ہیں۔ مگر انگریزی ٹوپی کو معیوب سمجھتے ہیں۔ طبقہ اعلیٰ کے اعیان و اشراف و تعلیم یافتہ لوگوں میں گو مذہبیت کم ہے لیکن پھر بھی وہ خود ظاہر داری صرف اسقدر کرتے ہیں کہ جب گھر سے نکلتے ہیں تو ایک چھوٹی سی ۳۳ دانہ کی خوشنما رنگ کی تسبیح ہاتھ میں رکھتے ہیں۔ اور اسکو ایک خاص انداز سے حرکت دیتے رہتے ہیں جس سے کہ شانِ امارت ظاہر ہوتی ہے۔ عصا یا چھڑی رکھنے کا بہت کم رواج ہے البتہ عبا انگریزی لباس پر بھی استعمال کرتے ہیں۔ موسم سرما میں یہ بھی دوسروں کی طرح پوستین پہنتے ہیں۔ جو بہت قیمتی ہوتے ہیں۔ دنبہ کے چھوٹے بچے کی کھال سے جو ایرانی ٹوپیاں تیار ہوتی ہیں انکی قیمت پچاس روپیہ تک ہوتی ہے۔ جو خاص امرا کیواسطے تیار ہوتی ہیں

مشہد کی پیداوار

صوبہ خراسان کا وسیع رقبہ بوجہ کمی پانی کے غیر آباد ہے۔ لیکن جو حصے آباد ہیں اور جہاں قدرتی یا دیگر ذرائع سے آبپاشی کا انتظام ہے۔ انکی پیداوار بلحاظ لطافت وجسامت۔ عمدگی۔ شادابی۔ شیرینی۔ تازگی اور کثرت پیداوار اسکے

کسی دوسرے ملک سے کم نہیں - گو زراعت بالکل پرانے اصول پر ہوتی ہے لیکن
پھر بھی زرعی ملک کہلانے کا مستحق ہے - جو گندم - نخود - کپاس - تمباکو - پوست وغیرہ
کی کافی کاشت ہوتی ہے - دیہات و قصبات اور شہروں میں آبادی کے قریب
کی زمینوں میں ترکاریاں کاشت کی جاتی ہیں - جیسا کہ ہمارے بھی ملک میں ستور
ہے اور ہر قسم کی ترکاریاں پیدا ہوتی ہیں - مٹر اور مکا بطور غلہ کے کاشت نہیں کرتے
مٹر ترکاری کے طور پر کام آتا ہے اور مکا کے خوشے جب تیار ہوتے ہیں تو آگ پر
بھونکر کھا لیتے ہیں جس کا غلہ نہیں بناتے - باغات بکثرت ہیں لیکن ہندوستان کی
طرح آم نہیں ہوتا ہی جسکی وجہ یہ ہے کہ موسم سرما میں برف باری ہوتی ہے اور آم کا
درخت اسکا مقابلہ نہیں کر سکتا - صوبۂ خراسان میں لیمو - نارنگی اور دوسری قسم کا
ترشادہ بھی نہیں ہوتا - لیکن ایران کے دوسرے حصوں میں ترشادہ اور عراق و
عجم میں کھجور بھی پیدا ہوتی ہے - مشہد کے باغات میں کئی قسم کے سیب - ناشپاتی
ناخ - گلابی - بگو گوشہ - آلو زرد آلو - آلوچہ - شفتالو - توت - شہ توت -
گلاس (یعنی چیری) انار - بہی اور انگور کئی قسم کا پیدا ہوتا ہے - خیار - خیار چمبر
خربوزہ اور تربوز بھی بہت اعلیٰ اور عمدہ پیدا ہوتا ہے - بعض قسم کا خربوزہ
تو کوئٹے اور چمن کے سردے سے زیادہ شیریں اور لطیف ہوتا ہے جس کو ذوالفقار
خانی کہتے ہیں - مشہد کے باغات کی شادابی اور زراعت کی سرسبزی کا
باعث وہ نہریں اور زمیں دوز پہاڑی چشمے ہیں جو پہاڑوں سے کاٹ کر نکالے
گئے ہیں - ان کے علاوہ وہ قدرتی چشمے ہیں جو دامن کوہ سے نکلکر میدانوں

ہیں ہوتے ہوئے گذرتے ہیں۔ کاشتکاروں سے فائدہ اٹھاکر اپنے کھیتوں کی
آب پاشی کرتے ہیں۔ جو کچھ پانی بچ رہتا ہے وہ آگے بہکر میدان یا ریگستان میں
جذب ہو جاتا ہے۔ ان پہاڑی آب دوز چشموں سے بڑے بڑے حوض بھرے
جاتے ہیں۔ جو عام کاشتکاروں اور خاص امرا کے باغات اور زراعت کے لئے
کام آتے ہیں کنوئیں میں پچاس فٹ کی گہرائی پر پانی نکل آتا ہے جو آبپاشی اور
آب نوشی دونوں کے کام آتا ہے۔ لیکن ایران میں بوجہ پہاڑی علاقہ ہونے کے
کنوئیں کی آب پاشی کا رواج کم ہے۔ اکثر شوقین لوگ اپنے باغیچوں میں جہاں
نہر نہیں پہنچتی کنوئیں سے آبپاشی کرتے ہیں۔ جس میں سے دو مزدور بذریعہ ڈول
کے پانی نکالتا ہے۔

اہلِ مشہد کی غذا

روزانہ کی معمولی غذا نانِ گندم ہے جسکو وہ طلوع آفتاب کے وقت دو تین
چار کے استکان (پیالی) کے ساتھ تھوڑی سی کھالیتا ہے اور پھر ظہر تک کچھ
نہیں کھاتا۔ ظہر کو عام طور پر آب گوشت جسکو تازہ گوشت اور باقلہ۔ سیم۔ یا مٹر
سے درست کرتے ہیں اوسکو چھبری روٹی سے کھاکر چار پی لیتے ہیں۔ ایران
میں کئی قسم کی روٹیاں ہوتی ہیں جو سب کی سب داش یا تنور میں پکائی جاتی ہیں۔
ایک روغنی روٹی ہوتی ہے جسکو عموماً چار کے ساتھ استعمال کرتے ہیں جو ذائقہ
اور لطافت میں بسکٹ سے بہتر ہوتی ہے۔ بعض قسم کی روٹیاں اپنی جسامت کے

لحاظ سے قابل تذکرہ ہیں یہ ڈیڑہ گز لانبی اور سوا فٹ چوڑی ہوتی ہے اور
وزن سے فروخت ہوتی ہے۔ یہ اول قسم کی روٹی کہلاتی ہے اور امرا کو دسترخوان
پر کام آتی ہے ایک روٹی اس قدر باریک ہوتی ہے جس طرح ہمارے ہندوستان
میں ہوائی چپاتی پکائی جاتی ہے۔ یہ دو فٹ تک لانبی ہوتی ہے اور ایک فٹ
سے کچھ زیادہ عریض۔ باقی قسم کے مختلف روٹیاں جن میں آرد جو ملا ہوا ہوتا ہے
غربا کے کھانے میں آتی ہیں جو تقریباً دس بارہ قسم کی ہوتی ہیں۔ اکثر دوکاندار
اور پیشہ ور لوگ جو دوپہر کا کھانا اپنے گھر جا کر نہیں کھا سکتے وہ ایک پتھر کی ہانڈی
رکھتے ہیں جسکو بُرما کہتے ہیں۔ اسُ میں حسب ضرورت گوشت مصالحہ ترکاری
ڈالکر بازاری باورچی کی دوکان پر بھیجکر پکوا لیتے ہیں۔ جس کی پکوائی انکو
ایک شاہی دینی ہوتی ہے جو ہمارے ہندوستانی سکہ کی چار پائی کے مساوی
ہے۔ شب کے کھانے میں ترکاری دار گوشت اور چاول ہوتے ہیں۔
ایرانی کھانے کے ساتھ پانی بہت کم استعمال کرتے ہیں۔ لیکن چاء زیادہ پیتے
ہیں دیہاتی اور غربا اور مزدوری پیشہ لوگ سالن پکانے کی تکلیف سے مستثنیٰ ہیں
پنیر۔ دہی۔ سٹھا۔ چھاچ اور دہی کے خشک ستو سے روٹی کھا لیتے ہیں
اور موسم گرما میں جبکہ تازہ پھل ارزاں اور بافراط ہوتے ہیں تو ان پر گذارہ
کرتے ہیں۔ بسا اوقات یہ پھلوں سے بھی روٹی کھاتے ہیں۔ مثلاً انگور
اور خربوزہ سے جس طرح ہمارے ہندوستان میں آم سے یا عرب میں کھجور سے
غربا روٹی کھاتے ہیں اور اسی موسم میں میوجات کو خشک کرکے ایام سرما کے

لئے ذخیرہ کر لیتے ہیں۔ امرا اور دولتمند ایرانیوں کا دستر خوان مختلف قسم کے
کھانوں سے پُر ہوتا ہے۔ صبح کی چار پر اُن کے ہاں مکھن۔ مربہ۔ کیک بسکٹ
ڈبل روٹی معمولی بات ہے۔ دوپہر کے کھانے میں کئی قسم کے لذیذ ترکاری دار
گوشت۔ کباب۔ چٹنی۔ حلوہ۔ سرشیر اور دہی وغیرہ ہونا ضروری ہے۔ پلاؤ
یا چلاؤ تو اہل ایران کی جان ہے بغیر چاول کے دستر خوان کی رونق ہی نہیں
معمولی اور اوسط درجہ کے لوگ بھی ضرور ایک وقت چاول کھاتے ہیں۔ ایرانی
انڈا اور مرغ کا گوشت خصوصیت سے پسند کرتا ہے۔ بازار میں روزانہ کباب
کنجشک اور کباب ماہی فروخت ہوتے ہیں جسکو ایرانی اکثر رغبت سے کھاتے ہیں
دل۔ گردہ۔ کلیجی۔ پھیپھڑے کو ماہی توے میں رکھکر چربی سے سینکتے ہیں جس کو بچے
اور عورتیں بڑا عزیز رکھ کر کھاتے ہیں گوشت کے اقسام میں اول درجہ طیور کا دوسرا
دنبہ۔ تیسرا بکرا چوتھا گائے پانچواں اونٹ کا خیال کیا جاتا ہے۔ ترکاریوں میں
سب سے زیادہ مرغوب بادنجان یعنی بینگن اور دوسرے درجہ پر اسفناج یعنی پالک ہے
سالنوں میں نخود اور قیمہ زیادہ مرغوب ہے جسکو وہ سلطان الطعام کہتے ہیں۔
ایرانیوں کے اکثر سالن ترش ہوتے ہیں۔ ٹماٹر ہر سالن میں ڈالتے ہیں اگر
موسم نہو تو پھر اس کی جگہ آلو بخارا یا املی سے کام لیتے ہیں۔ زرشک کی میٹھی چٹنی
بھی کچھ کم لذیذ نہیں ہوتی ہے اسی طرح شب کے کھانے پر انواع الاقسام طرح طرح
کے لذیذ کھانے ہوتے ہیں۔ اگر ایرانی سالن میں مرچ و مصالحہ کی مقدار کسی قدر
زیادہ کر دی جائے تو وہ ہندوستانی سالن سے لذت و ذائقہ میں کسی طرح کم نہیں

ہوتے ایران خصوصاً مشہد مقدس میں میوہ جات مختلف قسم کے اور بکثرت پیدا
ہوتے ہیں اس لئے ایرانیوں کو اگر میوہ خور قوم کہا جائے تو کچھ بیجا ہوگا۔ شروبات
میں بھی تکلف سے کام لیتے ہیں اور مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ برفاب شربت
لیمونات۔ سوڈا۔ آب آلو بخارا۔ آب اسفرزا۔ ماست۔ دوغ۔ دودھ وغیرہ کا
بھی بکثرت استعمال کرتے ہیں۔ بازاروں میں سقے ایک بڑے پاک وصاف کاسہ میں
پانی بھر کر برف ڈالتے ہیں اور اس میں چند خوشرنگ پھول اور ایک یا دو خوشنما
سیب ڈالدیتے ہیں۔ ہر راہرو کو وہ کاسہ پیش کرتے ہیں اس میں سے وہ حسب ضرورت
پی لیتا ہے۔ جو خوشگوار اور خوشبو میں آپ اپنی نظیر ہوتا ہے۔ اس موقع پر سقہ
کو کچھ دینا اخلاقی فرض ہے اگر کسی وجہ سے کچھ نہ دیا جائے تو وہ اسی طرح
خوش ہو کر کہتا ہے "عافیت باشد" جس طرح انعام دینے والوں کو۔ جدید
تعلیم یافتہ امراء میز کرسی پر بیٹھ کر چھری کانٹے سے انگریزی وضع سے کھانا
کھاتے ہیں جس کا اب عام رواج ہوتا جارہا ہے۔

مکانات وطریقہ رہائش

شہر مشہد مقدس کے درمیان ایک نہر جاری ہے جو شہر کو دو حصوں میں منقسم
کرتی ہے جس کے دونوں کنارو پر سایہ دار درخت اور وسیع پختہ سڑکیں ہیں
وسط شہر کے گلی کوچہ تنگ وپیچیدہ ہیں جسکی یہ وجہ بتائی جاتی ہے کہ وحشی ترکمانوں
کے خوفناک حملوں سے اہل شہر کو بچا سکیں زمانہ حال میں اکثر پیچیدہ اور تنگ

راستوں کو سیدھا اور کشادہ کیا جا رہا ہے تاکہ حمل ونقل کو آسانی ہو۔ مکانات کی چہار دیواری اسقدر بلند ہے کہ شرعی پردہ اُن نامحرموں سے قائم رہ سکے جو اُن مکانات کے قریب سے گذرتے ہیں۔ مکانات کے صحن کی سطح اکثر راستوں کی سطح سے نیچی ہوتی ہے۔ کسی مکان میں بدررَو نہیں بنائی جاتی نہ اسکی یہاں ضرورت ہے کیونکہ بارش بہت کم ہوتی ہے۔ اگرچہ مشہد میں مکانوں کے دروازے کچھ زیادہ خوبصورت اور شاندار نہیں ہوتے اور ان دروازوں سے داخل ہونے والا ہرگز یہ خیال نہیں کرسکتا کہ وہ ان ہی معمولی دروازوں کے ذریعہ سے نہایت عمدہ اور صاف باغوں میں داخل ہو جائے گا۔ لیکن جب وہ ان دروازوں سے گذر جاتا ہے تو اسکو تعجب ہوتا ہے کہ وہ معمولی دروازے کے ذریعہ سے ایسے صاف وشفاف باغیچوں میں داخل ہوا کہ جو اس مقام پر اعلیٰ اور عمدہ ترین خیال کیے جاتے ہیں۔ مکانات اکثر پختہ حویلی نما دو منزلہ سہ منزلہ ہوتے ہیں۔ بعض بعض مکان کوٹھی نما بھی بنائے گئے ہیں۔ خوشحال لوگ اکثر بالائی منزلوں میں رہتے ہیں اور غربا یا ملازم نیچے کے حصہ میں رہتے ہیں نیچے کی منزل میں اکثر کمروں سے گودام کا کام لیا جاتا ہے اور دوسری ضرورتوں کے کام آتے ہیں۔ مثلاً بالاخانہ۔ باورچیخانہ زیرین حصہ میں ہوتا ہے۔ مکان کے صحن کے نیچے ایک یا دو حوض ہوتا ہے جس میں تمام گھر کا مستعملہ پانی جمع ہوتا رہتا ہے مکان کی حیثیت کے موافق کئی کئی پاخانے ہوتے ہیں کم از کم ایک پاخانہ ضرور ہوتا ہے۔ پاخانوں میں ہمارے ہندوستان کی طرح متعدد قدمچے نہیں ہوتے

صرف ایک قدمچہ پاخانہ کی سطح کے ہموار بنا ہوتا ہے یہ سب پاخانے سنڈاس
کے صول پر بنائے جاتے ہیں۔ اسی ایک قسم حاجت والے قدمچہ پر طہارت کرتے
ہیں فضلہ اور پانی سب ملکر صحن کے زیر دو حوض میں چلا جاتا ہے جسکو پانچ
سے لیکر دس سال میں صاف کرایا جاتا ہے۔ ایران میں کوئی قوم مثل بھنگی کے
نہیں ہے جو صفائی وغیرہ کا کام کرے۔ سنڈاس کے حوضوں کو عام غریب
مزدور اجرت لیکر صاف کرتے ہیں اور شہر سے باہر کھیتوں میں بطور کھاد
کے ڈالتے ہیں جس کی اجرت کاشتکاروں سے جدا وصول کرتے ہیں جب
کبھی کوئی سنڈاس کسی محلہ میں صاف کیا جاتا ہے تو تین چار دن تک بوجہ
بدبو کے اس طرف راستہ چلنا مشکل ہو جاتا ہے اور اکثر اہل محلہ اپنا گھر چھوڑ کر
بھاگ جاتے ہیں۔ ہر گھر میں کنواں اور صحن خانہ میں حوض ضرور ہوتا ہے مشہد
مقدس کے کنوؤں کا پانی کسی قدر شور ہے اکثر مزدور کنوئیں سے پانی کھینچکر حوض
بھرتے ہیں ان حوضوں میں پانی صاف رکھنے کی وجہ سے اور خوبصورتی کے
لئے چھوٹی چھوٹی سرخ مچھلیاں پالتے ہیں۔ ہر ایرانی گھر میں ایک ملاقاتی کمرہ
سجا ہوا ضرور ہوتا ہے ایرانی اپنے ملاقاتی کمروں کو شیشہ آلات بلور اور چینی
کے ظروف اور روسی خوبصورت سماوروں سے سجاتے ہیں۔ علاوہ ایرانی قیمتی
قالینوں کے عمدہ اسپرنگ دار نرم گدے اور تکیہ لگاتے ہیں امرا اور تعلیم یافتہ
ایرانی اپنے کمروں کو میز کرسی پردہ تصاویر اور دوسری چیزوں سے بھی زینت
دیتے ہیں۔ ایرانی اپنے ملاقاتی کی چار سگرٹ۔ حقہ اور شربت سے تواضع کرتے ہیں

جاڑے کے موسم میں اعیان و اشراف بخاری فرنگی کا استعمال کرتے ہیں جس کا
دودکش کمرہ کی دیوار یا چھت میں سے باہر کی طرف نکالدیا جاتا ہے تاکہ دھواں کمرہ
کو خراب اور لوگوں کو پریشان نہ کرے - عام ایرانی اور متوسط طبقہ کے لوگ موسم سرما میں
کمرے کے درمیان ایک چھوٹی چوکی کہتے ہیں جس کے نیچے کوئلہ کی آگ روشن کرتے ہیں
اس کے اوپر ایک بڑا لحاف پانچ چار گز مربع کا ڈالتے ہیں - کنبہ کے سب افراد مرد و
زن مل کر اسکے گرد بیٹھتے ہیں اور لحاف کو اپنی ٹانگوں پر ڈالتے ہیں - باتیں کرتے ہیں
چا و حقہ پیتے ہیں - کھانا کھاتے ہیں اور شب کو سب کے سب اسی لحاف میں آگ کی طرف
پاؤں کر کے سو جاتے ہیں - ایران میں ہندوستان کی طرح پلنگ پر سونے کا دستور نہیں
ہے سب زمین پر سوتے موٹے گدوں پر سوتے ہیں - لیکن امرا کے یہاں لوہے کے
چار و نکی ولایتی مسہریاں موجود ہیں - یا لکڑی کے تخت بنا کر اور اوپر گدے ڈال کر
اُن سے پلنگ کا کام لیتے ہیں جسکو وہ تخت خواب کہتے ہیں -

خانم ہائے خراسان

عورتوں میں آزادی ہندوستانی عورتوں سے بہت زیادہ ہے - عورتوں کا لباس
گھر میں سوائے ٹوپی کے کل انگریزی وضع کا ہوتا ہے - عورتیں بلا تکلف باہر جاتی
ہیں - بازاروں میں سودا خریدتی ہیں - باغات میں سیر و تفریح کرتی ہیں ان
کے ہمراہ کوئی مرد رشتہ دار - شوہر یا نوکر نہیں ہوتا - اگر ساتھ چلے تو نہایت
معیوب سمجھا جاتا ہے - اُنکا برقعہ بھی ہندوستانی برقعہ سے جدا گانہ ہوتا ہے - جو

سامنے سے گوَن نما اور عقب سے چادر معلوم ہوتی ہے۔
یہ برقعے سیاہ ابریشمی چادر کو بنائے جاتے ہیں۔ چہرے پر گھوڑے کے بالوں کا نقاب ہوتا ہے۔ پاؤں میں انگریزی خوشنما باریک اونچی ایڑی والے شو پہنتی ہیں۔ ٹانگوں میں بجائے پاجامہ کے ہم رنگ ریشمی موزے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ آجکل یورپین لیڈیز کا فیشن ہے۔ مردوں کے دوش بدوش ان ہی حقوق کے ساتھ جو اُن کو حاصل ہیں ہر جگہ سیر و تفریح و کام کاج کے لئے پھرتی چلتی ہیں۔ علاوہ فارسی زبان کے ترکی روسی۔ انگریزی۔ فرینچ وغیرہ میں سے کسی ایک زبان یا ایک سے زیادہ زبانوں سے واقف ہوتی ہیں۔ دوسرے ممالک کی طرح ایران میں بھی عوام عورتوں کی بنسبت اشراف و اعیان گھرانوں کی مستورات زیادہ خوبصورت اور حسین ہوتی ہیں۔ سرخ و سفید رنگ۔ موزوں خط و خال۔ کشادہ پیشانی۔ بلند بینی۔ باریک لب اسپر طرہ یہ کہ غازے اور پوڈر کا مناسب استعمال۔ کنگھی چوٹی سے درست۔ رنگ برنگ ریشمی یورپین لباس میں ملبوس۔ غرض ہر نہج سے مجسم حسن کی تصویر۔ حسنِ فرنگ ان ایشیائی بُتِ حبشی کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔ جہاں قدرت نے ان خانم ہائے ایرانی کو سب خوبیاں دی ہیں۔ وہاں زمانہ شباب بہت کم رکھا ہے۔ اکثر عورتیں پندرہ سے بیس سال کی عمر میں اپنا زمانۂ شباب ختم کر دیتی ہیں۔ ان کی عمر کے کاروان کے ساتھ ساتھ ان کا حسن بھی رواں دواں نظر آتا ہے۔ جب بیس سال کا سن ہوا نہ وہ رعنائی باقی رہتی ہے۔ اور نہ وہ حسن کا ولولہ۔ بلکہ اسکی جگہ بے رونقی اور اداسی اپنا قبضہ کر لیتی ہے۔ انیس منفور نے ایسے ہی موقع کے لئے یہ شعر کہا ہے۔

نہ جانے برف کی بیٹیاں تھی یا شرر کی لپٹ
ذرا جو آنکھ جھپک کر کھلی شباب نہ تھا

بچوں کی پرورش کا طریقہ

ایران میں پیدائش سے لیکر دس دن تک بچہ کو اسکی ماں دودھ نہیں پلاتی۔ بلکہ قابلہ کے مشورہ سے بچہ کو دس دن تک گھی جس میں چند دوائیں شریک ہوتی ہیں چٹاتے رہتے ہیں۔ دسویں دن زچہ بچہ کو حمام کرایا جاتا ہے اور اسی دن ماں اپنے بچے کو دودھ پلاتی ہے۔ بچہ کو زیر ناف سے لیکر پاؤں تک نہلا کر اور گوڈر میں اس طرح لپیٹ کر باندھ دیتے ہیں کہ اگر بچہ پیشاب پاخانہ کرے تو اسی میں رہے اور باہر نجاست نہ نکلنے پائے جسکو صبح و شام تبدیل کر دیتے ہیں اس عمل کو ایران میں جنُدق کہتے ہیں۔ اس سے یہ فائدہ ہے کہ بچوں کو ان کی مائیں بلا تکلف حرم مقدس اور مساجد وغیرہ میں ہر جگہ لئے پھرتی ہیں اور خود بھی اسی قدر پاک و صاف رہتی ہیں جسقدر کہ ایک بغیر بچہ والی عورت ہو سکتی ہے۔

دس دن کے بعد بچہ کا عقیقہ کرا دیا جاتا ہے اور اگر بچہ لڑکا ہے تو اسی کے ساتھ ختنہ بھی کرا دیتے ہیں اگر کسی وجہ سے تاخیر ہو جائے تو موسم بہار کے شروع میں اسکا ختنہ ضرور کرا دیا جائے گا۔ تین ماہ تک بچہ کی ہر قسم کی بیماری میں قابلہ کی ہدایت کے بموجب عمل کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر یا حکیم کی بچہ کو دوا نہیں دیتے قابلہ عموماً ناقابل اور غیر تعلیمیافتہ ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک انگریز کی تحقیق کے

بموجب ایران میں اسّی فیصدی بچے قبل از وقت ضائع ہو جاتے ہیں۔
زیادہ سے زیادہ بچہ کو اسکی ماں دو سال تک دودھ پلاتی ہے اگر اتفاق سے
بچہ کی ماں جلد حاملہ ہو جائے تو زمانہ حمل میں بچہ کو وہ دودھ نہیں پلاتی۔ بچے کی
پرورش دوسری عورت کے دودھ سے یا گائے بکری کا دودھ پلا کر کرتے ہیں

جن لوگوں میں تعلیم کا رواج ہے وہ اپنے بچوں کو پانچویں سال مکتب میں
داخل کردیتے ہیں۔ اور عام طور سے تو یہ مشہور ہے کہ چار سال چار ماہ چار دن
کی عمر میں بچہ کی بسم اللہ کی رسم کردیتے ہیں۔ دس بارہ برس تک کے بچوں کو تعویذ پہنانے کا
دستور ہے۔ علاوہ تعویذ کے بچوں کے گلوں میں عقیق کے منکے اور کہربا کے دانے
شیر کے ناخن اور نقرئی پنجہ اور تختیاں کندہ شدہ بھی ڈالتے ہیں۔ ایرانی نظر بد
کے قائل ہیں اس لئے تعویذوں اور دوسری چیزوں کا بچہ کے گلے میں ہونا ضروری
خیال کرتے ہیں۔ ایرانی مائیں اپنے کم سن لڑکے اور لڑکیوں کے سر کے بال کٹتے ہیں
منڈوانے یا کترانے کا دستور نہیں ہے۔ اکثر متمول لوگ اپنے بچوں کو انگریزی وضع
کا لباس پہناتے ہیں۔ شہری ایرانی لوگ عموماً خوبصورت گورے، چٹے۔ سرخ و
سفید ہوتے ہیں اس لئے ان کے بچے انگریزی لباس میں بالکل یوروپین بچوں جیسے
معلوم ہوتے ہیں۔

تجہیز و تکفین

ایرانی عموماً اپنے مُردوں کو گھر سے باہر غسلخانوں میں نہلاتے ہیں۔ جس طرح زندوں

کے حمام بکثرت ہیں اسی طرح مردوں کے لیئے غسل خانے موجود ہیں۔ وہیں کفن پہنا کر جنازہ کو تابوت میں رکھ کر حرم میں طواف کے لئے اور نماز جنازہ کے لئے لاتے ہیں طواف و نماز سے فارغ ہوکر حرم میں یا کسی دوسری جگہ قبرستان میں دفن کر دیتے ہیں قبر پر یا مُردے کے ہمراہ کسی خیرات یا کھانے کی اشیاء تقسیم کرنیکا رواج نہیں ہے سوائے مجتہدین اور امرا کے جنازوں کے۔ دوسرے لوگوں کے جنازوں کے ساتھ زیادہ آدمی نہیں ہوتے ہیں۔ اکثر جنازے تو اس طرح دیکھے ہیں کہ دو آدمی تابوت کھٹا لائے اور طواف کرا دیا نہ عام طور پر لوگ جنازوں کی مشایعت کرتے ہیں لیکن مجلس عزاداری نہایت مہذب طریقے سے ادا ہوتی ہے۔ دوست مہربان خویش واقربا مجلس عزا میں آتے ہیں اور بطور حاشیہ کے گرد اگرد چند منٹ خاموش بیٹھ کر کچھ پڑھتے ہیں اور ان الفاظ میں عزاداری کرتے ہیں "خدا یہ بخشد خدا یہ بخشد"۔ چار سگرٹ پیکر دس پانچ منٹ بعد چلے جاتے ہیں۔ ہندوستان کی طرح غمخوار نہیں کہ آکر ایسی بناوٹی باتیں کرتے ہیں کہ سننے والا بھی عمر بھر بیمار ہو جاتا ہے

مشہد مقدس کے راستے

یوں تو مشہد مقدس کے ہر چہار جانب کے شہروں سے مشہد مقدس کو راہ ہے جس سے ایرانی قافلے آتے جاتے ہیں لیکن ہندی زائروں کے لئے یہ چھ راستے زیادہ مشہور تھے۔ اول کابل و ہرات ہوکر۔ دوم کوئٹہ و چمن ہوکر۔ سوم کوئٹہ و نوشکی و زدآب ہوکر۔ چہارم بندر ابوشہر و طہران ہوکر۔ پنجم بغداد سے کرمان شاہ اور طہران

ہو کر ششم بمبئی یا کراچی سے عدن و سوئز کی بندرگاہوں کو عبور کر کے قسطنطنیہ
کے سامنے سے گذر کر بحر خضر ہوتا ہوا عشق آباد آئے اور پھر وہاں سے مشہد پہنچے لیکن
موجودہ زمانہ میں ہندوستانی زائرین کے لئے صرف دو راستے آرام دہ اور کم
خرچ ہیں۔ اول ہندوستان سے کوئٹہ اور کوئٹہ سے دزداب بذریعہ ریل
اور دزداب سے مشہد مقدس بذریعہ موٹر۔ دزداب سے مشہد تک موٹر کی چھ منزلیں
ہیں اور فاصلہ ۸۰۰ میل ہے اول سفید آباد۔ دوسرے ششت تیسرے برجند۔
چوتھے قائن یا خذری۔ پانچویں تربت حیدری۔ چھٹے مشہد مقدس۔ دزداب
سے مشہد مقدس تک کرایہ موٹر کا اسی سے لیکر یکصد روپیہ تک رہتا ہے اور موٹر
لاری کا چالیس سے ساٹھ تک۔ دزداب سے مشہد مقدس تک گھوڑا گاڑی بھی چلتی ہے
جو ایک ماہ میں مشہد مقدس پہنچاتی ہے اسکا کرایہ تیس سے چالیس روپیہ فی نفر ہے
لیکن موجودہ زمانہ میں گھوڑا گاڑی سے بہت کم زائر سفر کرتے ہیں کیونکہ راہ میں
دشت لوط کا بیابان پڑتا ہے جو سخت تکلیف دہ ہے جسکا تذکرہ آئندہ آئے گا
مشہد مقدس کا دوسرا رستہ کاظمین علیہم السلام یا بغداد سے ہے۔ اس راستے
سے مشہد مقدس تقریباً ایکہزار میل انگریزی ہے اور بحساب ایرانی دو سو چھپن فرسخ بغداد
سے مشہد مقدس بذریعہ موٹر آٹھ منزل ہے۔ اول بغداد سے خانقین دوم
کرمان شاہ۔ سوم ہمدان۔ چہارم طہران۔ پنجم سمنان ششم شاہرود۔ ہفتم سبزوار
ہشتم مشہد مقدس۔ اکثر اوقات اس رستہ کو موٹریں دس یوم میں طے کرتی ہیں
مشہد مقدس سے بغداد تک کرایہ اکیس روپیہ سے لیکر ڈیڑھ سو تک رہتا ہے

اور موٹر لاری کا سو روپیہ تک اگر مسافر براہ قم جائے تو ایک منزل بڑھ جاتی ہے اور زائرین کو ہمیشہ براہ قم ہی آنا جانا چاہیئے۔ کیونکہ معصومہ قم کی زیارت سے بھی مشرف ہو جائے گا۔ مشہد مقدس سے بغداد تک گھوڑا گاڑی کی چالیس منازل ہیں اور کرایہ تقریباً ستر روپیہ ہے منازل حسب ذیل ہیں۔

(۱) شریف آباد (۲) قدم گاہ (۳) شور آب (۴) سبزوار (۵) مہر (۶) قبرستان (۷) عباس آباد (۸) میان دشت (۹) میامی (۱۰) شاہرود (۱۱) دہ ملا (۱۲) دامغان (۱۳) قوشہ (۱۴) رہوانت (۱۵) سمنان (۱۶) لاسکرو (۱۷) دہ نمک (۱۸) خوار (۱۹) ایوان کیف (۲۰) خاتون آباد (۲۱) طہران (۲۲) رباط کریم (۲۳) خان آباد (۲۴) توشک (۲۵) نوبران (۲۶) زرق (۲۷) برلاکرد (۲۸) ہمدان (۲۹) اسد آباد (۳۰) کنگاور (۳۱) صحنہ (۳۲) کوہ بے ستون (۳۳) کرمان شاہ (۳۴) ماہی دشت (۳۵) ہارون آباد (۳۶) کرند (۳۷) پل زہاب (۳۸) قصر شیریں (۳۹) خانقین (۴۰) بغداد۔ اگر گھوڑا گاڑی ازراہ قم جائے تو چار روز کی مسافت زیادہ ہو جاتی ہے۔ گو عرصہ سے ایرانی سڑکوں کی حالت بہت خراب تھی لیکن دس سال کا زمانہ ہوا کہ برٹش فوجیں جنگ عظیم کے زمانہ میں ایران میں داخل ہوئیں تو بعض سڑکوں کی درستی انگریزی فوج نے کرائی تھی جب سے سڑکوں کی حالت اچھی ہے۔ جنگ ختم ہونے کے بعد برٹش افواج نے ایران کو خالی کر دیا اور جدید تیار شدہ اور مرمت شدہ سڑکیں ایرانی حکومت کے حوالہ کر دیں اس وقت سے برابر ان سڑکوں کی درستی اور مرمت کا کام ایرانی حکومت کر رہی ہے۔ میرے دوران

سفر میں کئی جگہ سڑکوں کی مرمت ہو رہی ہے۔ وزداب سے جو سڑک مشہد مقدس کو جاتی ہے وہ پہاڑوں اور دشت لوط میں ہو کر گذرتی ہے سڑک پر کسی قسم کے پل نہیں ہیں۔ اس وجہ سے اکثر مقامات سے سڑک پانی کی وجہ سے خراب ہو گئی ہے۔ راستہ پرامن ہے۔ راستہ میں کسی طرح لوٹ مار کا کھٹکا بھی نہیں ہے۔ منزل پر پہنچکر موٹر مع جملہ اسباب کے تنہا سڑک پر چھوڑ دیتے ہیں اور مسافر اتر کر کسی مکان میں منزل کرتا ہے جس کا کرایہ ایک قران یا دو قران دینا پڑتا ہے۔ صاحب مکان مہمان کے ساتھ بہت اخلاق کا برتاؤ کرتا ہے اور اسکی سب ضرورت کی چیزیں قیمتاً فراہم کر دیتا ہے۔ کوئٹہ سے مشہد تک کے کچھ حالات ناظرین کی دلچسپی کے لئے ایک صاحب کے مضمون سے جو عرصہ سے ایران اور سرحد ایران پر رہتے ہیں رسالہ اولڈ بوائے سے نقل کرتا ہوں۔

ایرانی بیابان

کوہ ملک سیاہ سے جانب جنوب ۴۲ میل دزداب ہے کسی زمانہ میں یعنی جنگ سے قبل ایک ویرانہ تھا۔ پانی چونکہ ان اضلاع میں کمیاب ہے۔ جہاں کہیں تھوڑا چشمہ یا کنواں ہے پانی کا کھاری ہو یا کڑوا مسافرین استعمال کرنے پر مجبور ہیں اس کے واسطے ایک نام گزرہ لیتے ہیں۔ چونکہ ویرانہ اور ڈاکوؤں کی جگہ تھی۔ جو عبورین مابین سرحد سیستان و کرمان و سیستان کو لوٹتے تھے اس لئے اس کا نام دزداب ہو گیا اسوقت یہ ریلوے ہیڈ ہے۔ کوئٹہ و نوشکی سے جو ریلوے لائن اوپر آتی ہے اس کا آخری اسٹیشن ہے۔ دزداب اس وقت ایک بڑا شہر اور تجارتی مرکز بنتا جاتا ہے۔ ایرانی حکام

مثل گورنر - کارگذار - پولیس - فوج مالیہ سب موجود ہیں - ایرانی تجار کی کوٹھیاں اور تجارت خانہ قایم ہیں - سرکار انگریزی کا وائس قونصل - رییس تذکرہ وغیرہ یہاں موجود ہیں - لاکھوں بنڈل چار - شکر - روئی - ریشم - قالین - کپڑے وغیرہ کے آنے یا جانے والے تیار ہیں - انٹرنیشنل ڈاکخانہ بھی ہے - کوئٹہ سے ریل ہفتہ میں دو مرتبہ آتی ہے اور دو دفعہ جاتی ہے -

کوئٹہ ۲۰۴ میل ہے جو ۳۴ گھنٹہ کا سفر ہے (کوئٹہ ۵۴ میل ہے اور ۲۱ گھنٹہ کا سفر ہے) نوشکی سے چل کر آبادی کم ہے - دالبندین اب تحصیل بن گئی ہے - جہاں ریلوے گاڑی کا قیام طویل ہوتا ہے - اس سے آگے سرحد ایران پر میرجاوا میں آبادی ہے - اور ہندوستان کا آخری ڈاکخانہ ہے - نوشکی سے دزداب تک چند اسٹیشن دور دور ہیں سوائے دالبندین کے کہ وہاں اسٹیشن پر چائے ملجاتی ہے اور باقی کسی اسٹیشن پر کچھ نہیں ملتا - میٹھا پانی بھی ٹرین ان ہی اسٹیشنوں پر پہنچاتی ہے - نوشکی سے دزداب تک بارہ اسٹیشن ہیں جو غیر آباد جنگلوں میں چھوٹے کچے قلعہ کی شکل میں بنے ہیں - پانی ملنے کے باعث ان کے آس پاس صحرانشین بلوچ بھی جمع ہو گئے ہیں - جن کی خوراک جنگلی بوٹیاں اور گھاس ہے مہینوں میں کبھی روٹی ملجاتی ہے - ہر ایک اسٹیشن پر ٹرین کے ٹھہرتے ہی سیکڑوں بچے اور دیگر اشخاص صحرانشین بلوچ دو طرفہ دوڑتے اور خیرات مانگتے ہیں اور کہتے ہیں "پنڈ کے بدھ" خیرات، و مسافرین کی فیاضی سے وہ صحرانشین اب وہیں ہزار مزے کے عیش کرتے ہیں - اس سفر میں ۲۴ گھنٹہ کے لئے آذوقہ کوئٹہ یا دزداب سے ہمراہ اٹھانا پڑتا ہے - شباب سرما یا گرما میں بالخصوص

گرما میں یہ سفر نہایت تکلیف دہ ہے - اگرچہ ہوا چلتی ہے - لیکن گرمی ہے جو
تکلیف دہ ہے - باہر نظر دوڑانے سے تمام عالم سمندر کا دریا نظر آتا ہے - جس میں جھاڑی
یا پتھر کا ٹکڑا بھی پڑا ہو تو اس کا عکس پانی میں نظر آتا ہے - بگولے بکثرت دکھائی
دیں گے - اور اس سمندر میں جابجا نشانات آبادی مثل بستی درخت وسوار معلوم
دیتے ہیں - درحالیکہ حقیقت میں کچھ بھی نہیں - سب میدان خشک بے آب میدان
وشورہ زار ہے - اور یہ سب کچھ سراب ہے - وزداب سے راہ کرمان کو جانب جنوب و
مغرب جاتی ہے اور سیستان و برجند و مشہد کو جانب شمال - وزداب سے سیستان
۶۰ میل ہے اور مشہد مقدس ۶۰۰ میل - برجند جو مشہد کے راستہ پر ہے ۳۰۰ میل -
وزداب سے موٹر ہر طرف جاتے ہیں اور راستہ ہر موسم میں خوب چلتا ہے - وزداب سے
۴۰ میل از راہ کوہ ملک سیاہ ہرمک ہوتا ہے - ہرمک تک پہاڑیاں ختم ہو جاتی ہیں
اور آگے بطرف سیستان ایک کھلا میدان جہاں نگاہ ایک دور کے گرد آلود افق
میں ختم ہوتی ہے - مشہد کا راستہ ان پہاڑیوں کے دامن دامن میں طرف شمال مغرب
نکلتا چلا جاتا ہے اور ۱۶۰ میل پر ان پہاڑیوں کو چھوڑ کر نہہ کی جانب شمال
ہو کر آباد جگہوں میں پہنچ جاتا ہے - راہ سیستان ہرمک سے شروع ہو کر ۸۰ میل صحرا
میں سے ہے جہاں دو ایک جگہوں میں پانی ملجاتا ہے - ورنہ سب بے آب ہے کسی زمانہ
میں یہ سب ملک آباد تھا - یہاں رامرود - سارو تار و حوضدار کی شاندار بستیاں
تھیں - ہرمک سے ۴۲ میل پر راستہ میں شیلہ گذرنا پڑتا ہے جو ۲۰۰ گز چوڑا اور ۲۰ گز
گہرا ہے - اس میں عموماً پانی تھوڑا تھوڑا بعض مقامات پر رہتا ہے - شیلہ نمک کی کان ہے

جہاں اس کا پانی خشک ہوتا ہے۔ وہاں ایک فٹ سے زیادہ موٹے تختہ نمک کے
جم جاتے ہیں۔ جہاں پانی ہے وہ اسقدر نمکین ہے کہ اگر ہاتھ دھوڈالو تو ورم ضرور
کر جائیں گے۔ پانی بہت کڑوا ہے۔ اگر انسان یا مویشی اس پانی میں گرجائے تو نہیں
ڈوبتا۔ پانی بعض مقامات پر گہرا ہے نمک کے باعث اسکی تہہ پر پہنچنا نہایت
مشکل ہے۔ یہ شیلہ سیستان کے ہامون کے طوفانی وزاید پانی کی گذرگاہ ہے
اور ہامون سے شروع ہوکر قریب ایکسومیل کے بعد گودزرہ (افغانستان) میں
ختم ہوجاتا ہے۔ شیلہ ایام اگست وستمبر میں اکثر ہامون کے پانی کی زیادتی سے
پر ہوجاتا ہے۔ سوائے توتن کے گذرنا مشکل ہے۔ توتن اس کشتی کا نام ہے جو
گھاس سے بنائی جاتی ہے۔ چونکہ لکڑی برائے کشتی کمیاب ہے کشتی عموماً گھاس
ہی سے بنائی جاتی ہے۔ شیلہ سے جانب شمال ۶۰ میل ایک نہایت شاندار ہموار صاف
میدان ہے جس کی زمین سفید اچھی مٹی کی ہے۔ جابجا پرانے کھنڈرات کے نشانات
قدم قدم پر موجود ہیں۔ کسی زمانہ میں یہ سب علاقہ آباد تھا۔ رودِ ہلمند سے اس کو
پانی ملتا تھا۔ اس میں شہر آباد تھے جن کی لمبائی ۱۰ یا ۲۰ میل تھی اب ویرانہ ہے اور نہایت
خطرناک ہے کیونکہ یہ سب علاقہ آباد نظر آتا ہے سراب عجیب شاندار ہے اسقدر آباد نظر آتا ہے کہ ناواقف
انسان ضرور دھوکہ کھا جاتا ہے یعنی۔ آبادی۔ مکانات۔ مویشی درخت۔ ڈھول کی
آواز دہل اور بندوق تک دکھائی اور سننے میں آتے ہیں۔ تھکا ماندہ پیاسا
انسان جوں ہی کہ راستہ کے نشان سے چپ وراست کو گیا۔ بس گیا۔ ہزاروں
انسان اور سینکڑوں باردار قافلے اس میدان کی نذر ہوچکے ہیں۔ جن کا اب تک

پتہ نہیں چلا - یہ میدان ۸۰ میل سے ۱۲۰ میل چوڑا اور ۲۰۰ میل لمبا ہے اور کل بے آب ہے - یہاں موسم بہار میں برسات کا پانی گڑھوں میں ملجاتا ہے - کھنڈرات کے نشان جو بکثرت ہیں دھوکے میں ڈالتے ہیں - چونکہ برسات زیادہ نہیں ہوتی مٹی سخت ہے اس لیے پرانی عمارات سیکڑوں برسوں سے اسی طرح کھڑی ہیں - میدان کی زمین اس قدر خشک اور سخت ہے کہ رات کو اگر زمین سے کان لگا یا جائے تو ۲ میل پر اگر ایک گھوڑا یا گدھا آرہا ہو تو اسکی ٹاپ کی آواز سنائی دے گی۔
مارچ میں اگر تھوڑی سی بوندیں پڑ جائیں تو چلنا مشکل ہے - اونٹ تو بے حد پھسلتا ہے - انسان یا گھوڑے کے واسطے بھی چلنا مشکل ہو جاتا ہے - پھر سامنے کی ہوا وہ بھی کبھی ۱۲۰ میل فی گھنٹہ رفتار - خدا کی پناہ اگر ڈیزرٹ یعنی (صحرا) میں انسان اس میدان میں ہو اور ہوا شروع ہو جائے تو بچنا مشکل ہے - گرمی میں رات اس میدان میں ہلکی ٹھنڈی نسیم میں نہایت ہی خوشگوار ہے - تنہائی اس قدر ہے کہ انسان محو ہو جاتا ہے - ہوا میں مختلف انواع و اقسام کے راگ کی آواز آتی ہے شاید یہ ہی سائرن سے مشہور ہے میں عموماً اس میدان سے گذرتے وقت آدھی رات کو آرام کرتا صبح کو اٹھنا اس قدر ناگوار ہوتا تھا کہ بعض دفعہ یہ خیال آتا کہ چھوڑو سونے دو آخر ہوگا تو یہی کہ مر جائیں گے صبح کے آٹھ بجے کے بعد روشنی نہایت تیز اور ہر طرف سراب کا نظارہ اور گرمی شدت کی ہو جاتی ہے - سراب اسقدر ہے کہ اکثر دیکھا سامنے اونٹوں کا قافلہ آتا ہے جو حرکت کرتا معلوم دیتا ذرا آگے چل کر معلوم ہوتا کہ اشتباہ تھا - یہ گھوڑے ہیں لیکن

اس قدر گھوڑے اس میدان میں کیونکر۔ ذرا اور نزدیک جاکر اس طرح گدھوں
اور پھر بکریوں اور آخر ش کنوؤں کا اشتباہ ہوتا مقام پر پہنچکر معلوم ہوتا کہ کچھ نہ
تھا صرف اونٹ کی چند پنجال پڑی تھیں جن کا انعکاس اس قدر زیادہ تھا
کہ پہلے اونٹوں کا قافلہ نظر آیا۔ وسطِ میدان میں حوضدار ہے۔ جس کو لوگ
قلعہ رستم بھی کہتے ہیں۔ یہ رستم کی جگہ تھی۔ اس کے آثار اب تک ہیں اس کے
سامنے جانب مغرب کندر کے کھنڈرات ہیں۔ جس کو لوگ اخور اسپ رستم بتاتے
ہیں۔ لوگوں کی کہانی مانی جائے تو رستم کا گھوڑا ایک پچاس گاڑی کی ٹرین کے
برابر لمبا ہوگا۔ حوضدار کے اردگرد ایک نہایت سخت مٹی کا میدان ہے جو
صبح اور شام کو نہایت خوش ہوا اور پرلطف ہے۔ راستہ ان کھنڈرات اور سبار گان
کے نشانات سے پیدا کیا جاتا ہے۔ یہ بے آب ویرانہ عجب خطرناک ہے۔ کہتے ہیں
کہ اس ویرانہ میں ایک جھاڑی ایسی ہے کہ اگر اسپر سے انسان یا حیوان گذر بھی جائے
تو اُس کے ہوش و حواس درست نہ رہ کر راستہ بھول جاتا ہے۔ یہ اکثر ہوا کبھی کہ
ڈاک سوار اونٹ پر ڈاک لانے والا جو سالہا سال سے اس راستہ پر چلتا ہے چار
چار دن دیر سے منزل پر پہنچا اور راستہ گم کر کے بیہوش چلا گیا اور کہیں کا کہیں نکل
گیا۔ اس ملک کی تکالیف برداشت کرنے کی طاقت خدا نے اونٹ اور بلوچ کو
عطا کی ہے۔ بلوچ چار چار دن بغیر پانی کے گرمی کے موسم میں پیادہ ۳۰-۳۰
میل ہر روز سفر کر جاوے گا۔ اونٹ آٹھ دن تک پانی نہیں مانگتا اس ویرانہ میں
ایک قسم کی چھوٹی سی چڑیا ہے جسکو مرغ سلیمان کہتے ہیں۔ یہ ان مقامات سے

جہاں انسان کا گذر ہے یا آبادی ہے دور ویرانہ میں رہتی ہے۔ میں چند برس
سال جب کبھی ویرانہ سے گذرنے کا موقع ہوا اُس کی آواز سنا کیا میلوں یہ چڑیا
میرے پیچھے آتی رہی اس کی آواز سنا کیا۔ بہت کوشش کی کہ معلوم ہو کہ کس قسم کی
چڑیا ہے۔ کبھی دیکھی نہیں گئی۔ یہ ویرانہ میں منتظر رہتی ہے۔ جہاں کوئی اور جاندار
شے اسے نظر آتی ہے یہ صدا کرنا شروع کرتی ہے تو پہلے ایک نہایت باریک آواز
سے سیٹی بجاتی تھی۔ جو ایک دو منٹ کے بعد کانوں کو محسوس ہوتی تھی۔ اس کے
بعد تین بار باز باز کہتی ہے اور پھر تین مرتبہ تُوا۔ تُوا۔ تُوا پکارتی ہے۔

صحرا گرد بلوچوں کی روایت ہے کہ یہ چڑیا ایک دفعہ حضرت سلیمان علیہ السلام
کے کتے کو جس کا نام باز تھا شکار کو لے گئی۔ کتا گم ہو گیا۔ اس پر حضرت سلیمانؑ
نے اس کو حکم دیا کہ جاؤ کتے کو پیدا کرو۔ کتا نہ ملا۔ یہ چڑیا اور اُس کے بچے
نسلاً بعد نسل ویرانہ ہی میں ہے۔ یہ چڑیا کتے کو سیٹی دے کر بلاتی ہے
پھر کتے کا نام باز تین دفعہ پکارتی ہے۔ پھر تین دفعہ تُوا۔ تُوا۔ تُوا کہتی ہے
یہ وہ آواز ہے جس سے اکثر کتوں کو بلایا جاتا ہے۔ یہ چڑیا اور اُس کی آواز
ایسی دلچسپ ہے کہ اُس کے سننے کی خاطر میں نے اکثر دفعہ ویرانے کے سفر کا قصد
کیا چند بار مرتبہ چھ چھ یوم تک پانی ہمراہ لیکر میں نے ۸۰ میل تک اس کا سفر کیا
ویرانہ جہاں صدیوں سے انسان کا قدم نہیں پڑا دیکھنے کی قابل جگہیں ہیں
کیا صاف اور ستھرا میدان۔ کیا صاف ہوا۔ کیا تنہائی۔ کیا شان خدائی
دکھائی دیتی ہے۔ کیسے سچے منظر دکھائی دیتے ہیں۔ یہ داستان دلچسپ

اور شہروں اور بستیوں کے شیدائی اس کے لطف کو مشکل سے محسوس کر سکینگے
اگر آپ کو ایک دفعہ چند روز ایسے ویرانہ میں آسمان کی چھت تلے گذرنے کا
اتفاق ہو تو پھر آپ آباد جگھوں کی کثافت کاری اور ہجوم مخلوق کے مقابلہ
میں شہریت کو کبھی پسند نہ کریں گے۔

سال [illegible]ء میں سرحد ایران و افغانستان کے خطہ میں سفر کر رہا تھا سفر
۴۰۰ میل کا پانچ دن میں ختم کیا۔ طلوع آفتاب کی شان اور غروب آفتاب کا
پر لطف نظارہ نصف شب کی خاموشی اور خوش ہوائی۔ دوپہر کو سراب کے
منظر کہ سب ویرانہ آباد نظر آتا ہے۔ یہ کچھ اور ان کے پر لطف نظارہ کے
بیان میں قاصر ہوں۔ چند ایک واقعات بھی اس سفر میں پیش آئے جس کو
میرے اہل دنیا احباب ہنس کر ٹال دیں گے یا یہ کہہ کر کہ درویش دیوانہ ہی
یا اُس کا اپنا خیال ہے۔ اس سفر میں میدان میں مجھے ایک چھوٹا سا ٹیلہ نظر
آیا اور اوپر پتھروں کی چنی ہوئی دیوار سے گھرا ہوا مقام قریب ۶ فٹ مربع
کی چوٹی پر دکھائی دیا۔ میں اوپر گیا اور دیوار کے اندر اسی ۶ فٹ کی کھلی
ہوئی جگہ میں داخل ہوا تو ایک ہولناک آواز میرے کان میں آئی۔ جس نے
زور سے پکارا کہ بوٹ باہر۔ میں نے باہر آن کر چاروں طرف دیکھا تو
کوئی انسان نہ تھا۔ آخر بوٹ اُتار کر اندر داخل ہوا تو دیکھا کہ ایک طرف
ایک سفید پتھر کا کتبہ ہے جس پر عربی کندہ ہے اور معلوم ہوا کہ ایک شہید کا
مقام ہے فاتحہ دے کر واپس آیا۔ ذرا آگے چل کر سر راہ دوسرا نظر

آئے جو مجھے دیکھ کر بھاگے نہیں۔ ملک تماشنے کی خاطر کھڑے ہیں اور متواتر اپنے سر کو پھیر پھیر کر مجھے دیکھتے ہیں۔ نزدیک گیا وہ مجھ سے ۶ فٹ کے فاصلہ پر کھڑے تجسس سے دیکھتے رہے شاید اُنھوں نے بے رحم انسان سے کبھی زخم نہیں اُٹھایا۔ آخرش آہستہ آہستہ ایک طرف چلے گئے۔ میں کپاس کے ذریعہ ایک خطہ میں سفر کر رہا تھا۔ آگے جاکر ایک چھوٹی سی جھاڑی کے پاس اپنے آشیانہ کے در کی حفاظت کرتا ہوا ایک لمبی ٹانگوں والا بگلے کی قسم کا پرند کھڑا دکھائی دیا۔ میں ۲ فٹ پر اس کے مقابل کھڑا تھا اور وہ غور سے سر ادھر اُدھر کر کے ہم کو دیکھا کیا۔ آخرش میں نے ہاتھ لمبا کر اس کے پیٹ کو ہاتھ لگایا وہ کود کر ایک گز پرے جاکر کھڑا ہوگیا۔ خود غرض انسان نے اپنی سفاکانہ حرکات سے ہر حیوان کو اپنا دشمن بنا لیا ہے ورنہ حیوانات انسان کے نہ تو دشمن ہیں اور نہ ہی اس سے گریزاں۔

ایک چھوٹی سی سرگذشت بیان کرتا ہوں جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ حیوانات میں ہمدردی کا مادّہ انسان سے زیادہ تر ہے۔

سال ۱۹۰۸ء میں افغانستان کے لوگ خلیج فارس کے بندرگاہوں سے بندوقیں اور اسلحہ خرید کر کے چوری سے سرزوری سے تجارت کے لئے اپنے ملک کو لے جاتے۔ ان افغانوں کے قافلے ہزار ہزار یا کم تعداد شتر کے جنوب سے شروع کر کے بیابانوں کی راہ سے ہو کر اس بیابان سے گذر کر اپنے ملک میں داخل ہوتے۔ ۱۹۰۸ء کی ۱ جون میں ایک بڑا قافلہ کوہ ملک سیاہ کے پاس سے

گذرا۔ ۸ میل پر ڈاک ایرانی کے دو سوار جو متعین تھے ان کو پکڑ کر ہمراہ لے گیا تاکہ یہ خبر رسانی نہ کریں۔ ان سواروں میں ایک بلوچ جوان۔ دوسرا ایرانی نوجوان سوار تھا۔ سامنے حدود افغانستان تک پہنچنے کو ایک بڑا خوفناک بیابان جو کم از کم ۱۰۰ میل ہوگا ان کو طے کرنا پڑتا ہے۔ ایرانی سوار نے کچھ روٹی جو اُس کے پاس تھی حسب معمول ساتھ اُٹھائی اور قیدی کی طرح ساتھ چلنا شروع کیا۔ صبح ۲ بجے کا وقت تھا جو یہ پکڑے گئے۔ ستارے اور ہوا کے رُخ سے اپنی منزل اور مقام کا پتہ لگاتے قافلے والے چلے جا رہے تھے کہ دن ۱۱ بج گئے اور ابھی دور آگے گود زرہ کا خوفناک میدان دکھائی دیتا ہے۔ ایرانی کو بھوک محسوس ہوئی اُس نے روٹی کمر سے نکال چلتے چلتے کچھ کھانا شروع کیا دیکھا تو نزدیک ایک افغان اپنے اونٹ سنبھالنے کو گذرا۔ مہمان نواز ایرانی نے روٹی جو ہاتھ میں تھی اُسے پیش کی افغان مچلا دوڑتا ہوا اپنے گرتے ہوئے یار کی فکر میں تھا روٹی کو ایک ہاتھ مارا اور ایک لقمہ کو توڑ کر کھاتا ہوا اپنے گرتے ہوئے اونٹ تک جا پہنچا غرضکہ یہ قافلہ عصر کو چند گھنٹہ آرام کیلئے گود زرہ میں ٹھیرا اور محبوسین کا سوال پیش ہوا۔ آخرش یہ فیصلہ ہوا کہ ایرانی کو گولی مار دی جائے۔ کیونکہ یہ واپس اپنے مقام پر پہنچ نہیں سکتا اور آگے افغانستان تک اس کو لیجانا بھی دشوار تھا اس کو کہا گیا کہ دعا وغیرہ مانگ لے اور سامنے کھڑا کر دیا اور چند نفر حاضر ہوگئے کہ اس کو نشانہ بنائیں اتنے میں ایک افغان بندوق لئے ہوئے دوڑا آیا

اور آن کر اسی ایرانی کے پہلو میں کھڑا ہو گیا اور کارتوس بندوق میں
ڈال کر للکارا کہ ٹھیرنا چلتے چلتے اس ایرانی کے ہاتھ سے ایک لقمہ روٹی لی
اور کھائی میں نے اس کا نمک کھایا ہے - اگر کوئی اس کو جان سے مار ڈالنے
کی فکر میں ہے تو وہ پہلے میرے ساتھ دو دو ہاتھ کر لے جب تک میں زندہ
ہوں اس پر وار نہ کرنے دوں گا - اسپر اس کے رفقا چند گالیاں دے کر خاموش
ہوئے اور یہ ایک لقمہ نمک خوردہ افغان اس ایرانی کو اپنے ہمراہ لے کر
ڈیرہ پر آیا روٹی کھلائی - پانی پلایا اور جب ذرا تاریکی ہو گئی تو اس
کہا کہ جان بچا اور بھاگ اپنی ایک چھوٹی مشک پانی سے بھر کر اسکو دی
اور روٹی دی اور کچھ دور ساتھ آیا اور بتایا کہ فلاں سیاہ کی سیدھ
میں جانا - رات رات جہاں تک ہو سکتا ہے نکل جا - ورنہ دن کو موت کا
سامنا ہے - ایرانی نے کہا اکیلا کیونکر جاؤں گا مہربانی کر کے اس بلوچ
کو بھی میرے ہمراہ اجازت دے دو کہ دونوں اکھٹے جا سکتے ہیں ورنہ
یہ ویرانہ موت کا سامنا ہے اتفاق سے اس کو بھی قبول کیا اور واپس آکر بلوچ
کو کسی طرح لے آیا - بلوچ اس ایرانی سوار کو کشاں کشاں ساتھ لایا -

تمام رات چلتے رہے پانی بھی ختم ہو گیا - ایرانی تکان اور بے آبی
سے لاچار - آنکھیں اندھیر ہو رہی ہیں - صبح کے ۱۰ بج گئے - ایرانی
تمام رات اور اس سے پہلے دن کا تھکا ماندہ گرتا پڑتا آہستہ آہستہ چلا
جاتا ہے اور بلوچ اسکو ہمت دلاتا ہے کہ ہاں آگے پانی مل جائے گا

آخر شتر ایرانی گر گیا اور بلوچ سے کہا کہ میں تو یہیں مروں گا۔ تم جاؤ اور اگر پانی تک یا ڈاک سوار کی چوکی تک پہنچ گئے تو پانی میرے لئے روانہ کرنا۔ بلوچ گیا اور یہ بیہوش اسی ویرانہ میں پڑا رہا کچھ دیر بعد دھوپ کی گرمی محسوس کر کے اُٹھا اور ایک جھاڑی کے سایہ میں جا بیٹھا اس کا دل بہ امید خدا سے ملتجی تھا۔ کبھی بیہوش ہو جاتا ہے کبھی ہوش میں آتا ہے۔ دیکھا کہ پاس کی جھاڑی میں اس سے دو گز کے فاصلہ پر دو ہرن بیٹھے ہیں۔ اس کو فوراً خیال آیا کہ یہ ہرن بھی تو کہیں سے پانی پیتے ہوں گے۔ اس خیال میں تھا کہ دو تو ہرن اُٹھے اور یہ بھی اسی امید پر اُن کے پیچھے۔ ہر دو ہرن آگے چلتے ہیں اور یہ اُن سے دو گز پیچھے پیچھے۔ جہاں یہ بیہوش ہو کر گر جاتا ہے ہرن بھی ٹھہر جاتے ہیں۔ جب کچھ دیر بعد ہوش میں آتا ہے دیکھتا ہے کہ ہرن اس کے منتظر کھڑے ہیں۔ اسی طرح کئی بار گرا اور وہ اسکا انتظار کر کے اس کو ایک طرف لے جا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک بجے دن کا وقت ہو گیا لیکن اسکی آنکھوں کے سامنے اندھیرے چند گز سے آگے دیکھ نہیں سکتا یکایک دیکھا کہ ہرن چوکڑی بھر کر کسی چیز سے ڈر کر داہنی طرف بھاگ گئے اور یہ بیہوش ہو کر گر پڑا۔ آدھے گھنٹہ بعد ہوش آیا تو دیکھا کہ دوسری چوکی کا ڈاک سوار اسکے منہ میں پانی ڈال رہا ہے۔ بلوچ نے چوکی پر پہنچ کر اس سوار کو پانی ہمراہ دے کر روانہ کیا۔ جان بچ گئی۔ لیکن اس صدمہ سے یہ سوار کئی مہینہ بیمار ہو گیا غرضکہ حیوانات کی ہمدردی نے اس کی جان بچائی اور ہم انکی جان لے رہے ہیں

فہرست مختصرہ موجودہ مطبوعہ مطبع اثناعشری دہلی

جلاء العینین فی سیرۃ علی ابن الحسین

(سیدہ الساجدین حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی مکمل سوانحعمری) جتنی قومیں اس وقت دنیا میں حقیقی عزت کی زندگی بسر کر رہی ہیں اگر غور سے دیکھو گے تو ان کی حیات کا راز سربستہ اس میں مخفی نظر آئے گا کہ انھوں نے اپنے بزرگوں کی یاد کو ہر وقت دلوں میں تازہ رکھا اور صرف زبانی دعووں کی بنا پر نہیں بلکہ سلف صالحین کے کارنامے اور سوانحعمریاں انھوں نے شائع کرکے دنیا کو شاہراہ حقیقی کی پکڈنڈی پر لگا دیا۔ کس قدر افسوس اور شرم کا مقام ہے کہ وہ فرقہ جو حقانیت کا مدعی اور معصومین کی تاسّی کو اپنا شعار قرار دینے والا ظاہر کرتا ہے اس کے جمود اور غفلت پر غیر اقوام مضحکہ اڑاتی ہیں۔ کس قدر حیرت اور استعجاب کا موقع ہے کہ جس مظلوم کی پیادہ پائی اور وادی محبت میں کانٹوں پر چل کر تلوؤں کے فگار ہو جانے والے واقعات کو سن سنکر آنکھوں سے اشک خونی بہائے جائیں اُسی بزرگوار کی تاریخ ولادت و وفات تک نہ معلوم ہو۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان واقعات حاضرہ پر نظر کرتے ہوئے ہم نے ہزاروں روپیہ صرف کرکے جناب ائمہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سوانح عمریاں زیور طباعت سے آراستہ کرکے ملک اور قوم کے سامنے پیش کیں۔ لیکن آج ان کی جلدیں کثیر تعداد میں طاقِ نسیان کی نذر ہو رہی ہیں بہرصورت ہم جناب مولانا السید مظہر حسن صاحب قبلہ کی یہ جدید زرین تصنیف جو ہر حیثیت سے حضرت سید الساجدین کی مکمل سوانح عمری ہے۔ محبان حسینؑ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں اور یہ دیکھنے کے لئے چشم براہ ہیں کہ بازار مصطفٰی میں کون خریدار مرضات الٰہی کا گراں بہا خلعت زیب جسم کرکے لئے آگے بڑھتا ہے۔ [illegible]